ماہنامہ جہد حق

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق

HRCP

Registered No. CPL-13

جلد نمبر 32... شمارہ نمبر 10... اکتوبر 2024

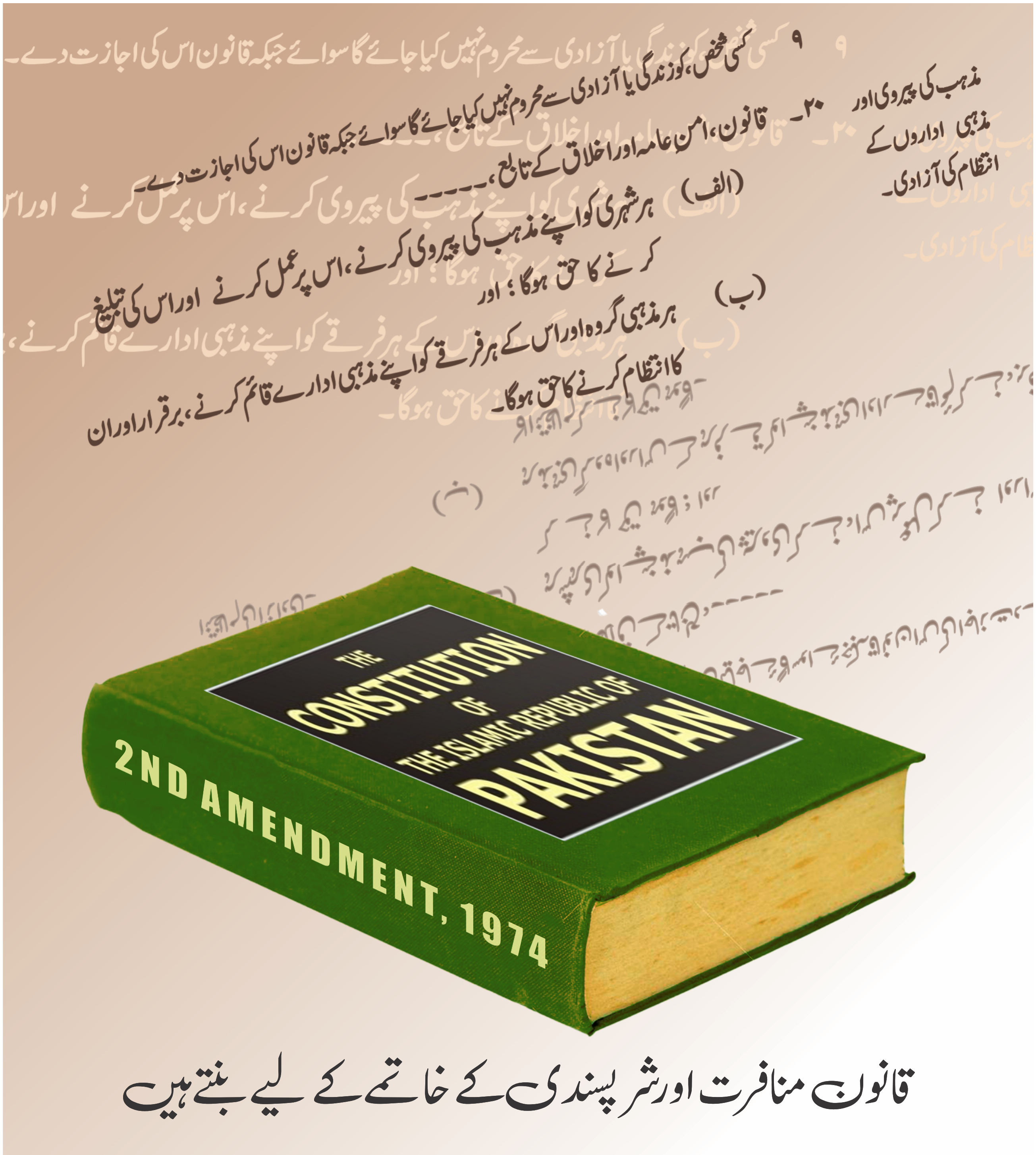

ایچ آر سی پی شکایات سیل

ایچ آر سی پی شکایات سیل نے 1985ء میں کام شروع کیا جب کسی بھی سرکاری یا غیرسرکاری ادارے میں ایسا مخصوص سیل موجودنہیں تھا جو مظلوم لوگوں کی شکایات وصول کرتا ہو۔اس وقت سے،ایچ آر سی پی پاکستان بھر میں انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کے ازالے کے لئے جدوجہد میں مصروف ہے۔

ایچ آر سی پی شکایت سیل کو ماہانہ سینکڑوں شکایات موصول ہوتی ہیں۔ہم جونہی خواتین کے خلاف تشدد،محکمہ جاتی مسائل،اقلیتوں کے حقوق،جبری شادیوں، جبری تبدیلی مذہب، جبری گمشدگیوں، سائبر جرائم اور دیگر تمام انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں سے متعلق شکایات وصول کرتے ہیں اوراس پر ایکشن لیتے ہیں۔تاہم، مالی معاونت، سیاسی پناہ، جائیداد کے تنازعات یا ذاتی تنازعات سے متعلق شکایات ہمارے دائرہ کار سے باہر ہیں۔

طریقہ کار

جیسے ہی ہمیں شکایات موصول ہوتی ہیں ہم متعلقہ حکام سے رابطہ کرتے ہیں اور کیس پر کارروائی کا آغاز کردیتے ہیں۔ہمارا بہت سے سرکاری اور غیرسرکاری اداروں کے ساتھ ایک براہ راست ریفرل نظام موجود ہے جس کا مقصد شکایت کے فوری ازالے کو یقینی بنانا ہے۔

ہم سے رابطہ کریں

اگر آپ نے کوئی شکایت درج کرانی ہے تو ہمیں کال کرسکتے ہیں، واٹس ایپ کرسکتے ہیں، ای میل بھیج سکتے ہیں یا خط ارسال کرسکتے ہیں۔
آپ اپنے قریبی ایچ آر سی پی شکایات ڈیسک میں بذات خود جا کر شکایت رجسٹر کرواسکتے ہیں اور کمپلینٹ آفیسر سے بذات خود بات کرسکتے ہیں۔

لاہور	کراچی	پشاور
ایوان جمہور۔107 ٹیپو بلاک، نیوگارڈن ٹاون، لاہور 54600 فون : 5969 3586 ,8341 3583 ,4994 3586 42 92+ ای میل : hrcp@hrcp-web.org ویب سائیٹ : www.hrcp-web.org مرکز شکایات سیل فون : 5969 3584 042 92+ موبائل: 4884 341 0321 92+ ای میل: complaints@hrcp-web.org	یونٹ نمبر08،فلور1 سٹیٹ لائف بلڈنگ نمبر5 (الاکو ہاوس) عبداللہ ہارون روڈ صدر، کراچی۔74400 فون : 7132 3563 ,7131 3563 21 92+ شکایات سیل (موبائل) : 6287 111 315 92+ ای میل : karachi@hrcp-web.org	43گلشن اقبال لین (نزدار باب روڈ سٹاپ) یونیورسٹی روڈ، پشاور فون : 4253 584 091 92+ شکایات سیل (موبائل) : 0640 950 0318 92+ ای میل : peshawar@hrcp-web.org

اسلام آباد	کوئٹہ	حیدرآباد
آفس B-1،فلور2 بلاک ڈی-12،(اوپر فیصل بینک) جی 8 ،مرکز، اسلام آباد فون : 1127 835 51 92+ شکایات سیل (موبائل): 4773 569 333 92+ ای میل : islamabad@hrcp-web.org	فلیٹ نمبر C-6 کبیر بلڈنگ ایم۔اے جناح روڈ، کوئٹہ فون : 7869 282 81 92+ شکایات سیل (موبائل) 6125 294 306 92+ ای میل : quetta@hrcp-web.org	306- فائزہ آرکیڈ، (لوفٹ اینڈ میزانائن فلور) نزد مسجد حاجی شاہ بخاری درگاہ صدر کنٹونمنٹ، حیدرآباد فون : 770 720 ,3688 278 22 92+ فیکس : 4645 278 22 92+ شکایات سیل (موبائل) : 2222 339 310 92+ ای میل : hyderabad@hrcp-web.org

ملتان	گلگت	تربت/مکران
2511/5A ابدالی کالونی نزد بریٹین سکول ملتان فون : 7217 451 61 92+ شکایات سیل (موبائل) : 5529 665 331 92+ ای میل : multan@hrcp-web.org	آفس نمبر 8-9، رانگ یل پلازہ جماعت خانہ روڈ، ذوالفقار آباد کالونی، جتیال، گلگت موبائل : 5553 547 0344 92+ شکایات سیل (موبائل) : 1088 454 355 92+ ای میل : gilgit@hrcp-web.org	پرواز ہاوس، بالمقابل علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی پسنی روڈ، تربت، کیچ فون : 365 413 852 92+ شکایات سیل (موبائل) : 2406 234 323 92+ ای میل : turbat@hrcp-web.org

فہرست

ایچ آرسی پی کے بیانات	03
50 برس بیت گئے: دوسری ترمیم پر نظرثانی کی ضرورت	04
پاکستان اور خواندگی کا بحران	05
احمدیوں کو مذہبی اقلیت قرار دینے کے 50 برس	06
ڈاکٹر شاہنواز: 'ہم جلتی لاش کے شعلے دیکھ رہے تھے	09
کاری!	10
غافل عوام اور جاگیردارانہ نظام	12
چولستانی تنظیموں نے الاٹمنٹ لیٹر نہ ملنے پر مشترکہ جدوجہد کا فیصلہ کرلیا	13
پنجگور میں پنجاب کے سات مزدوروں کا قتل	14
جاگیردارانہ تسلط اور مزدوروں، کسانوں کی صورتحال	15
چمن بارڈر کی بندش سے بچوں کی تعلیم پر منفی اثرات	16
کالج میں سہولیات کی فراہمی کا مطالبہ	18

خیبر پختونخوا میں عسکریت پسندی اور تشدد کا خاتمہ کیا جائے

خیبر پختونخوا میں امن و امان کی بگڑتی ہوئی صورتحال کے پیش نظر پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق (ایچ آر سی پی) نے صوبائی حکومت سے فوری اقدامات کا مطالبہ کیا ہے تاکہ شدت پسندی کا خاتمہ ہو اور لوگوں کے حق زندگی اور سلامتی کا تحفظ کیا جا سکے۔ رپورٹس کے مطابق، صرف گزشتہ ہفتے میں سوات میں ایک سفارتی قافلے پر ہونے والے حملے میں ایک پولیس اہلکار جاں بحق ہوا، ڈیرہ اسماعیل خان میں پولیو ورکرز کو اغوا کیا گیا، اور ناصر باغ اور باجوڑ میں پولیس اہلکاروں پر حملے کیے گئے۔

ایچ آر سی پی نے خاص طور پر ضلع کرم میں تشدد کی حالیہ لہر پر تشویش کا اظہار کیا ہے اور اعلان کیا ہے کہ وہ آئندہ چند ہفتوں میں علاقے میں ایک فیکٹ فائنڈنگ مشن بھیجے گا تاکہ یہ معلوم کیا جا سکے کہ قبائلی تنازعات اور فرقہ وارانہ تشدد کیوں برقرار ہیں، نیز یہ معلومات مقامی کمیونٹیز اور سرکاری ذرائع سے حاصل کی جائیں گی۔ ایچ آر سی پی نے مشاہدہ کیا ہے کہ قیمتی جانوں کے ضیاع کے علاوہ، تشدد کی دوبارہ ابھرنے والی لہر کے باعث خاندان بے گھر ہو گئے ہیں اور موبائل سروسز، اسکولوں، اسپتالوں اور بازاروں تک رسائی محدود ہو گئی ہے۔

ایچ آر سی پی نے وفاقی اور صوبائی حکومتوں کو بارہا خبردار کیا ہے کہ فوجی آپریشن خیبر پختونخوا کے سیکیورٹی مسائل کا حل نہیں ہے۔ امن و امان کو بہتر تربیت یافتہ اور جدید ساز و سامان سے لیس سویلین فورسز کے ذریعے برقرار رکھا جانا چاہیے اور تشدد میں ملوث افراد کو قانون کے تحت جوابدہ بنایا جانا چاہیے۔ اس کے ساتھ ساتھ، سابق قبائلی علاقوں سے کیے گئے مالی اور ترقیاتی وعدے 25 ویں آئینی ترمیم کے تحت پورے کیے جانے چاہئیں۔

[پریس ریلیز۔ لاہور۔ 28 ستمبر 2024]

50 برس بیت گئے: دوسری ترمیم پر نظرثانی کی ضرورت

یاسر لطیف ہمدانی

آج انسانیت کے خلاف جرم کو پچاس برس مکمل ہو چکے ہیں جو پاکستان کی بے عقل پارلیمان نے پہلے سے منقسم قوم کے خلاف سرزد کیا۔

یہ انسانیت کے خلاف جرم ہے کیوں کہ اس نے مظالم کا ایک راستہ ہموار کیا جس کی دورِ حاضر میں مثال نہیں ملتی۔ مزید برآں، اس نے شہریت کے تصور کے حوالے سے ریاستِ پاکستان کے لیے تقریباً ناقابلِ حل مسائل پیدا کیے ہیں۔ اس کے علاوہ، اس نے پاکستان میں مسلم شناخت کا تصور ہی تبدیل کر دیا ہے، اکثریت کو عقل سے عاری آدم خور مخلوق میں بدلتے ہوئے جو ختم نبوت کے نام پر آسانی سے جذباتی ہو کر احمدیہ برادری کے خلاف بہیمانہ ظلم کرنے کے لیے تمام حدیں پار کر سکتی ہے۔

دوسری ترمیم کے ذریعے قائم ہونے والی نظیر کے بغیر، ریاست کے لیے مذہب کی بے حرمتی ایسے اخراجی اور رجعتی قوانین کے بارے میں سوچنا بھی ممکن نہ ہوتا جو عالمی سطح پر ملک کے لیے باعثِ شرمندگی بنے ہوئے ہیں۔

یہ جاننا ضروری ہے کہ دوسری ترمیم، سب سے پہلے، پاکستان کی بنیاد کے بارے میں پائے جانے والے فرضی تصور دو قومی نظریے جسے بہت زیادہ برا بھلا کہا جاتا اور غلط معنی دیے جاتے ہیں، کی نفی ہے۔ اس سے میری مراد وہ حقیقی تصور ہے جسے ہندوستانی مسلمان قیادت نے برطانوی راج کے آخری عشروں میں پیش کیا تھا نہ کہ غیر معقول تکرار جس سے ہم 1980 کی دہائی کے بعد مطالعہ پاکستان کی منظور شدہ درسی کتب کے ذریعے متعارف ہوئے ہیں۔

دو قومی نظریے سے مراد یہ تھا کہ ہندوستانی مسلمان قوم مشترکہ تاریخ، علاقے، زبان، ناموں اور روزمرہ کی ثقافتی رہن سہن کے اعتبار سے قوم کی عالمی سطح پر تسلیم شدہ تعریف پر پورا اترتے ہیں۔ چنانچہ، سیاسی اعتبار سے، مسلمان بطورِ قوم اپنے مذہبی عقائد کی بدولت مسلمان نہیں بلکہ اس لحاظ سے مسلمان تھے کہ برصغیر کی ہندو اکثریت انہیں مسلمان سمجھتی تھی۔ اس کی سب سے بڑی مثال جناح خود تھے جو طویل عرصہ تک یہی کہتے رہے کہ وہ اول و آخر ایک ہندوستانی ہیں۔ اسلامی روایات کی پیروی نہ کرنے کے حوالے سے بھی وہ کافی جانے پہچانے جاتے تھے۔ اس کے باوجود ان کا نام انہیں گاندھی کی طرف سے "اقلیت" کا درجہ پانے کے لیے کافی تھا۔ اگر ان کے نام اور ان کی تصوراتی مسلم شناخت کا معاملہ نہ ہوتا تو گاندھی کبھی بھی جناح کو تحریک آزادی کی قیادت سے علیحدہ نہ کرتے۔ کانگریس میں اپنے اکثریتی ساتھیوں کی طرف سے مسلم سانچے میں ڈھالے جانے والے جناح اپنی "مسلمان" شناخت کی تعریف کرنے سے بہت زیادہ گریز کرتے تھے۔ گاندھی نے اپنے مراسلوں میں انہیں خاص طور پر ایسا کرنے کو کہا۔ **احمدی معاملے پر زور ڈالا گیا تو جناح نے کئی بار اپنے پیروکاروں کو فرقہ وارانہ معاملات میں نہ پڑنے کی ہدایت کی۔ چنانچہ، خیال یہی تھا کہ مسلم شناخت کا ایک بڑا خیمہ بنایا جائے۔ دہریے، متشکک، پکے اشتراکیت پسند، برائے نام مسلمان، بریلوی، دیو بندی، شیعہ، اسماعیلی اور خاص طور پر احمدی اس وسیع و عریض خیمے میں آباد نوزائیدہ مسلم قوم کا حصہ ہوں گے۔**

اس حقیقت پر غور کریں کہ احمدیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کا مطالبہ آزادی سے قبل سامنے آیا تھا۔ 30 جولائی، 1944 کو مولانا عبدالحامد بدایونی نے آل انڈیا مسلم لیگ کی مرکزی کونسل میں قرارداد پیش کی جس میں احمدیوں کو مسلم لیگ سے نکالنے کا مطالبہ کیا گیا تھا۔ جناح نے مداخلت کر کے اسے بحث کے لیے پیش کرنے کی اجازت دینے سے انکار نہ کیا ہوتا تو امکان تھا کہ قرارداد منظور ہو جاتی۔ 1950 کی دہائی میں ریاست کے پاس ابھی اتنی عقل باقی تھی کہ وہ فرقہ وارانہ تنازعے میں نہیں پڑی۔ چنانچہ، وزیر اعظم کے دفتر سے جاری ہونے والے ایک مراسلے میں صاف صاف کہا گیا کہ احمدیوں کو غیر مسلم قرار دینے کی کوشش احمدیوں کے حوالے سے مسلم لیگ کی دیرینہ پالیسی کے خلاف ہو گی اور مسلم برادری کی تقسیم پر منتج ہو گی۔

یہی وہ پالیسی تھی جس سے دوسری ترمیم کے وقت انحراف کیا گیا۔ 1974 میں لفظ مسلمان کی تعریف کر کے ہم نے غیر فرقہ وارانہ مسلم شناخت کا تصور دفن کر دیا۔ اس کی جگہ، ریاست نے مسلم شناخت کا مذہبی لبادہ اوڑھا دیا جو کہ عقیدے کے معاملات میں ریاستی غیر جانبداری کے اصول کے عین خلاف ہے۔ ذاتی عقیدے کو سب سے نمایاں اور مرکزی مقام پر رکھ کر، ریاست نے ذاتی مذہبی عقیدے کو ریاستی پالیسی کا معاملہ قرار دے دیا جو کہ اسلامی فقہ کی نفی ہے۔ اسلام کی مذہبی پالیسی کی اساس قرآن پاک ہے جو کہتا ہے کہ مذہب میں جبر نہیں جس سے مراد یہ ہے کہ ہر انسان کا ضمیر آزاد ہے چاہے اس کا عقیدہ جو بھی ہو۔

پارلیمان کا فیصلہ متفقہ تھا اور اس نے احمدی نقطہ نظر پر غور کرنے سے انکار کر دیا حالانکہ آئین نے واضح طور پر کہا تھا کہ اسلام کی تشریح ہر ایک فرقے کی فقہی صورت حال کے مطابق ہو گی۔ مذہبی رائے کے تنوع، جو کہ آئین کی مذہبی پالیسی کا اساسی اصول تھا، کو اتفاق رائے کی قربان گاہ پر قربان کر دیا گیا۔ الزام بنیادی طور پر ذوالفقار علی بھٹو اور پاکستان پیپلز پارٹی (پی پی پی) کے سر جاتا ہے۔ کسی بھی دوسرے عوامیت پسند رہنما کی طرح، بھٹو نے عوام کو تعلیم یافتہ طبقے سے محتاط رہنے کی تلقین کی۔ چونکہ احمدی تعلیم یافتہ اور محنتی طبقہ تھا جس نے نئی ریاست میں بہت اچھی کارکردگی دکھائی، چنانچہ وہ ایک آسان ہدف بن گئے۔ ترمیم کی حمایت کرنے والوں کو تاریخ اچھے لفظوں سے یاد نہیں کرے گی۔ دوسری ترمیم کے لیے مفتی محمود اور ان کی جماعت کی حمایت متوقع تھی۔ البتہ، خود کو سیکولر اور بائیں بازو کے سیاستدان کہنے والوں نے بھی اس کی حمایت کی، مثال کے طور پر ولی خان کی قیادت میں نیشنل عوامی پارٹی جس نے ترمیم کی بھرپور حمایت کی۔ بھٹو اسے اپنا بہت بڑا کارنامہ اور اسلام کے لیے واحد بڑی خدمت کے طور پر پیش کرتے تھے۔ اس معاملے پر گفتگو کرتے ہوئے، انہوں نے فخریہ انداز میں کہا کہ یہ پی پی پی ہی تھی جس نے نوے برس پرانا مسئلہ حل کیا۔ انہوں نے اسے پاکستان میں اسلام کے لیے اپنی بڑی خدمات میں سے ایک قرار دیا۔ جنرل ضیاء الحق نے احمدی عقیدے کو ہی جرم قرار دینے کا قانون لا کر پہلے سے موجود امتیازی سلوک کو اور زیادہ بڑھا دیا۔

بعد ازاں آنے والے حکمرانوں نے اس پالیسی کو تقویت دی۔ اپنی وزارتِ عظمٰی کے دوران، بے نظیر نے اسے اسلام کے لیے اپنے والد کی بہت بڑی خدمت قرار دیا اور یہاں تک کہ ضیاء کے حکم نامے کو ختم کرنے سے بھی انکار کر دیا۔ پی ایم ایل-این نے احمدیوں کے اکثریتی شہر ربوہ کا نام چناب نگر رکھ کر مظالم کی مہم اور تیز کر دی۔ پاکستان میں احمدیوں کی صورتِ حال خراب سے خراب تر ہو رہی ہے۔ امتیازی ضمنی

فہرست کی وجہ سے وہ عملی اعتبار سے انتخابات میں ووٹ ڈالنے سے بھی محروم کر دیے گئے ہیں۔ مبارک ثانی مقدمے میں جو کچھ ہوا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ احمدیوں کے لیے حالات کس قدر پُر خطر ہیں۔ یہاں تک کہ احمدیوں کو بند دروازوں کے پیچھے اپنے عقیدے پر عملدرآمد کا حق دینا بھی متنازعہ بن گیا ہے، اور عدالتِ عظمیٰ کی پسپائی سے ظاہر ہوتا ہے کہ معاملہ کتنا سنگین ہے۔ 2018 میں عدالتِ عالیہ اسلام آباد نے اپنے ایک فیصلے میں حکومت کو یہ یقینی بنانے کی ہدایت کی کہ احمدی مختلف قسم کا لباس پہنیں تا کہ وہ مسلمانوں سے مختلف نظر آئیں۔ اب ملک کی کئی بار ایسوسی ایشنیں عدالتوں میں احمدی وکلاء کے داخلے پر پابندی لگا رہی ہیں۔ پاکستان میں برادری کی مکمل ثقافتی، معاشی، اور سماجی نسل کشی کی جا رہی ہے جس کا مقصد پاکستان سے برادری کے وجود کو ہی ختم کرنا ہے۔

پاکستان کو آخر کار دوسری ترمیم ختم کرنی پڑے گی۔ ستم ظریفی ہے کہ اسے 50 برس تک نافذ العمل رہنے دیا گیا ہے۔ ایک پوری برادری کی شناخت مٹانا اکیسویں صدی میں ناقابلِ عمل ہے۔ پاکستان دھارے کی مخالف سمت تیراکی کا سلسلہ جاری رکھ سکتا ہے مگر جیسا کہ دنیا بھر میں ہر قسم کے امتیاز اور تعصب کے ساتھ ہوا ہے، پاکستان بھی بالآخر یہ ناانصافی ختم کرنے پہ مجبور ہوگا۔ دوسری ترمیم کے باعث پاکستان عالمی قانون کے تحت عائد ذمہ داریوں کی خلاف ورزی کر رہا ہے اور ایسی قدیم آئینی ترامیم اور قوانین کی موجودگی میں اس کا جدید قومی ریاست کا دعویٰ متنازعہ ہی رہے گا۔

یاسر لطیف ہمدانی بیرسٹر ہیں اور *جناح؛ ایک حیات* کے مصنف ہیں۔

(بشکریہ فرائیڈے ٹائمز)

پاکستان اور خواندگی کا بحران

مدثر احمد

8 ستمبر کو عالمی سطح پر منایا جانے والا خواندگی کا عالمی دن افراد اور معاشروں کی ترقی میں خواندگی کے اہم کردار کی یاد دہانی کے طور پر کام کرتا ہے اور اربابِ اقتدار کو ان کی ذمہ داریوں کی طرف توجہ بھی دلاتا ہے۔ یاد رہے کہ خواندگی صرف پڑھنے اور لکھنے سے ہی مشروط نہیں ہے بلکہ یہ تو زندگی بھر سیکھنے، معاشی بااختیاری اور سماجی شمولیت کے لئے ایک گیٹ وے ہے۔ پاکستان کے لئے، جہاں لاکھوں بچے اس بنیادی حق سے محروم ہیں، یہ دن تعلیم کو قومی ترجیح میں تبدیل کرنے کی ضرورت پر زور دیتا ہے۔

پاکستان میں اسکولوں سے باہر کا بحران بہت اہم ہے۔ پاکستان کے تعلیمی اعداد و شمار 2021-2022 کی رپورٹ کے مطابق 26.2 ملین بچے اسکولوں سے باہر ہیں۔ دیگر وجوہات میں غربت تعلیم کی راہ میں بنیادی رکاوٹوں میں سے ایک ہے، جس میں بہت سے خاندان اسکولی تعلیم سے وابستہ کم سے کم اخراجات بھی برداشت کرنے سے قاصر ہیں۔ مزید برآں، سرکاری اسکولوں میں تعلیم کا معیار اکثر کم ہوجاتا ہے، جس کی وجہ سے والدین اپنے بچوں کو داخلہ دینے سے حوصلہ شکنی کرتے ہیں۔ آئین پاکستان کے آرٹیکل 25 اے (تعلیم کا حق) میں کہا گیا ہے کہ "ریاست پانچ سے سولہ سال کی عمر کے تمام بچوں کو مفت اور لازمی تعلیم فراہم کرے گی" بدقسمتی سے اسکول نہ جانے والے بچوں کی تعداد اس بات کی عکاسی کرتی ہے کہ قوم کا مستقبل انتہائی نازک صورتحال میں ہے اور کسی حکومت نے بھی اپنی ذمہ داری کو نہیں نبھایا۔

اسلامی جمہوریہ پاکستان کے آئین میں اٹھارویں ترمیم ملک کی آئینی تاریخ میں ایک تاریخی واقعہ ہے۔ اس ترمیم نے صوبوں کو حکمرانی کے ساتھ ساتھ اپنے قدرتی وسائل کے انتظام اور استعمال میں جائز آئینی حقوق دیئے ہیں۔ تاہم، اب گزرے وقتوں کے حالات واقعات تصدیق کرتے ہیں کہ اٹھارویں ترمیم سے پہلے، کچھ وزارتیں اور محکمے، خاص طور پر تعلیم، سماجی تحفظ کے پروگراموں، تحفظ کی پالیسیوں اور صحت سے متعلق، مرکزی حیثیت رکھتے تھے۔ ان شعبوں میں فیصلہ سازی وفاقی حکومت کو برقرار رکھنی چاہیے تھی کیونکہ یہ محکمے پاکستان کی ترقی میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔

اسکول نہ جانے والے بچوں (او او ایس سی) کی اہم تعداد بہت خطرناک ہے۔ اسلام آباد نیشنل کانفرنس آن ایجوکیشن ایمرجنسی میں وزیراعظم پاکستان نے ملک میں تعلیمی ایمرجنسی کا اعلان کیا۔ اٹھارویں ترمیم کے بعد تعلیم صوبائی موضوع بن گیا ہے۔ تاہم وزیراعظم نے اس بات پر زور دیا کہ ایمرجنسی کا اطلاق پوری قوم پر ہوتا ہے۔ انہوں نے تعاون، تکمیل اور فالو اپ کو یقینی بنانے کے لئے تمام صوبوں اور وزرائے اعلیٰ کے ساتھ مل کر کام کرنے کا عہد کیا ہے صرف اسکول وں میں داخلوں میں اضافہ کافی حل نہیں ہے، کیونکہ اس وقت اسکول میں موجود بہت سے بچے ناقص معیار کی تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ 26.2 ملین او او ایس سی کی شناخت کرنا ضروری ہے: وہ کہاں ہیں؟ کیا وہ مزدوری، گھریلو کام، یا بھاگنے والے بچوں کی طرح سڑکوں پر رہنے میں ملوث ہیں؟

میری رائے میں، اس بحران سے نمٹنے کے لئے ایک کثیر جہتی نقطہ نظر کی ضرورت ہے۔ حکومت کو مضبوط پالیسیاں بنانے اور ان پر عمل درآمد کرنے میں قائدانہ کردار ادا کرنا چاہئے جو سب کے لئے تعلیم کو ترجیح دیتے ہیں۔ اس میں تعلیم کے لئے بجٹ مختص میں اضافہ، وسائل کے موثر استعمال کو یقینی بنانا اور پیش رفت کو ٹریک کرنے کے لئے نگرانی اور تشخیص کے میکانزم کو مضبوط بنانا شامل ہے۔ اسٹیک ہولڈرز، بشمول غیر سرکاری تنظیمیں (این جی اوز)، کمیونٹی رہنما، اور بین الاقوامی عطیہ دہندگان، حکومتی کوششوں کی تکمیل میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ پبلک پرائیویٹ پارٹنرشپ فنڈنگ اور وسائل میں موجود خلا کو پر کرنے میں مدد دے سکتی ہے جبکہ نچلی سطح کے اقدامات کمیونٹی کی شمولیت اور تعلیمی پروگراموں کی ملکیت کو فروغ دے سکتے ہیں۔ اسکول نہ جانے والے بچوں کے مسئلے سے نمٹنے کے لئے، پالیسی سفارشات اہم ہیں۔ سب سے اہم بات یہ ہے کہ پاکستان کو اپنے تعلیمی بجٹ کو جی ڈی پی کے کم از کم 4-6 فیصد تک بڑھانے کی ضرورت ہے، جو بنیادی ڈھانچے کے خسارے کو دور کرنے اور تعلیم کے معیار کو بہتر بنانے کے لئے عالمی معیارات کے مطابق ہے۔ ابتدائی بچپن کی تعلیم (ای سی ای) کو مضبوط بنانا بھی اہم ہے۔ پالیسیوں میں پسماندہ بچوں بشمول لڑکیوں، معذور بچوں اور دیہی یا تنازعات سے متاثرہ علاقوں میں داخلے پر توجہ مرکوز کی جانی چاہیے۔ سماجی تحفظ کے حوالے سے حکومت کو ایسے پروگراموں کو وسعت دینا اور مؤثر طریقے سے نافذ کرنا چاہیے جو خاندانوں کو اپنے بچوں کو اسکول بھیجنے کے لیے مالی مراعات فراہم کرتے ہیں، جس سے تعلیم کی راہ میں معاشی رکاوٹوں کو کم کرنے میں مدد مل سکتی ہے۔ مزید برآں، بہتر تربیتی پروگراموں اور اساتذہ کے لئے ترغیبات کے ذریعے تدریس کے معیار کو بہتر بنانا، خاص طور پر دور دراز علاقوں میں، معیاری تعلیم کی فراہمی کے لئے ضروری ہے۔

خواندگی کے اس عالمی دن کے موقع پر پاکستان ایک چوراہے پر کھڑا ہے۔ ملک کو اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے تعلیم کے تئیں اپنے عزم کا اعادہ کرنا چاہیے اور اس بات کو یقینی بنانا چاہیے کہ ہر بچے کو سیکھنے اور پھلنے پھولنے کا موقع ملے۔ مضبوط اور موثر پالیسیوں کے نفاذ سے پاکستان نہ صرف اسکول نہ جانے والے بچوں کے فوری بحران سے نمٹ سکتا ہے بلکہ ایک زیادہ تعلیم یافتہ، بااختیار اور خوشحال معاشرے کی بنیاد بھی رکھ سکتا ہے۔

اب کارروائی کا وقت آ گیا ہے۔ اس بات کو یقینی بنانا کہ تمام بچے اسکول میں ہوں اور تعلیم حاصل کریں، صرف ایک مقصد نہیں ہے بلکہ یہ پاکستان کے مستقبل کے لئے ایک ضرورت ہے۔

احمدیوں کو مذہبی اقلیت قرار دینے کے 50 برس: ’آپ سوچیں کیا احساس ہوگا جب بچے کے سامنے باپ گھنٹوں مردہ حالت میں پڑا ہو‘

خالد کرامت

’ہم اس ملک کی خاطر اپنی جان دینے کے لیے ہر دم تیار رہتے ہیں۔ اُس کے جواب میں ہم سے جو سلوک ہوتا ہے اور معاشرے کی طرف سے ہمیں اذیت پہنچانے کی کوشش کی جاتی ہے اس سے نہ صرف ہماری برادری بلکہ ہر فرد کو دکھ پہنچتا ہے۔‘

یہ کہنا تھا رشید احمد کا (سکیورٹی خدشات کے باعث اصل نام ظاہر نہیں کیا جا رہا)۔ رشید احمد کے بھائی پاکستانی فوج میں تھے اور سیاچن میں ڈیوٹی کے دوران انھوں نے اپنی جان دے دی تھی۔ بعدازاں انھیں تمام سرکاری اعزازات حاصل ہوئے، جیسے فوج کے ’شہدا‘ کی تدفین کے لیے خصوصی انتظامات۔

مگر رشید احمد کے مطابق اُن کے بھائی کی تدفین کے ایک عرصے کے بعد احمدی برادری سے تعلق کی بنیاد پر چند شدت پسند عناصر کی جانب سے اُن کی قبر کی بے حرمتی کی گئی۔

رشید کے مطابق ان کے بھائی کی قبر کی تدفین سے کچھ عرصہ قبل ہی اُن کے آبائی علاقے میں مذہبی بنیادوں پر تناؤ بڑھ رہا تھا اور علاقے میں بسنے والے احمدی خاندانوں کے خلاف منافرت اور اشتعال انگیزی کو بڑھاوا دیا جا رہا تھا۔

رشید بتاتے ہیں کہ اُن کے بھائی کی قبر کی بے حرمتی کے واقعے کے بعد پولیس کو اس معاملے کی شکایت کی گئی اور اُن افراد کی نشاندہی بھی کی گئی جو اس کے پیچھے تھے۔

تاہم رشید کے بقول پولیس کی جانب سے انھیں صرف تسلیاں دی گئیں جبکہ ذمہ داران کے خلاف کوئی کارروائی نہیں ہو سکی۔

بی بی سی اردو سے بات کرتے ہوئے رشید نے مزید بتایا کہ یہ صورتحال دیکھتے ہوئے انھوں نے فوج کے اعلی حکام سے رابطہ کیا جس پر ضلعی انتظامیہ اور مقامی پولیس کو قانون کے مطابق معاملہ حل کرنے کو کہا گیا۔ ’اس کے بعد پولیس نے ہمیں بلا کر مزید تسلی دی اور ساتھ کہا کہ ادھر اُدھر درخواستیں نہ دیں۔‘

رشید بتاتے ہیں کہ سیاچن کے محاذ پر پاکستان کی خاطر اپنے بھائی کو قربان کرنے والے اُن کے خاندان کو بعدازاں سکیورٹی خدشات کی وجہ سے اپنا آبائی علاقہ چھوڑنا پڑا۔

مگر یہ صرف رشید ہی کی کہانی نہیں۔ احمدی برادری پر ظلم وستم کی ایسی متعدد کہانیاں آئے روز اخبارات کی زینت بنتی رہتی ہیں۔

بی بی سی نے اس واقعے کے علاوہ اُن واقعات اور احمدی کمیونٹی کو تحفظ دینے میں ناکامی، بلکہ ان کے خلاف کارروائیوں میں ملوث ہونے یا ان کی سرپرستی کرنے کے الزامات اور نیچے درج کیے گئے بعض دیگر واقعات کے بارے میں ردعمل جاننے کے لیے پنجاب پولیس اور حکومتِ پاکستان کے متعلقہ حکام سے رابطہ کیا لیکن اس رپورٹ کی اشاعت تک ان کی جانب سے ان سوالات کے جواب یا موقف موصول نہیں ہوا۔

50 برس سے بھڑکتی آگ

احمدی برادری کے خلاف اگرچہ مذہبی منافرت کا سلسلہ ایک طویل عرصے سے جاری تھا تاہم اس میں شدت آج سے لگ بھگ 50 برس قبل یعنی سات ستمبر 1974 کو اس وقت آئی جب پاکستان کی پارلیمان نے ایک آئینی ترمیم کے ذریعے احمدیوں کو غیر مسلم قرار دیا۔

ستمبر 1974 میں ہونے والی اس آئینی ترمیم کے بعد اُس وقت کے وزیراعظم ذوالفقار علی بھٹو نے ایک جلسے میں انتہائی پُرجوش تقریر کرتے ہوئے کہا تھا کہ ’دیکھ لیں! آپ کے سامنے ہمارے کارنامے ہیں۔ آپ کے سامنے ہماری کوششیں ہیں۔۔۔ آپ دیکھ لیں کہ احمدیوں کا مسئلہ اس دور میں 90 سال سے تھا، اِسی دور میں اس کے حل کا آخری فیصلہ بھی قومی اسمبلی نے کیا ہے۔‘

سابق وزیراعظم جن کوششوں کا ذکر کر رہے تھے ان کے بارے میں مبصرین کا دعویٰ تھا کہ اِنھی کوششوں نے پاکستان کو ایک ایسے راستے پر ڈالا جس نے اگلے پچاس سال میں احمدی کمیونٹی پر پاکستان کی سرزمین تنگ کر دی۔

ستمبر 1974 میں ہونے والی اس آئینی ترمیم کے لگ بھگ 10 سال بعد پاکستان کے فوجی آمر جنرل ضیا الحق کے دور میں ریاست اس ضمن میں ایک قدم مزید آگے بڑھی اور 1984 میں ایک آرڈیننس کے ذریعے احمدیوں کے خلاف ایسے قوانین بنے جن کے بارے میں انسانی حقوق کے کارکنوں کا کہنا ہے کہ ان قوانین کی وجہ سے احمدیوں کے لیے اپنے عقائد کے مطابق زندگی گزارنا مشکل تر ہو گیا اور انھیں مختلف مقدمات کا سامنا کرنا پڑا۔

’ملک کی خاطر اپنی جان دینے کے لیے تیار رہتے ہیں۔۔۔ (مگر جب) معاشرے کی طرف سے ہمیں اذیت پہنچانے کی کوشش کی جاتی ہے اس سے دکھ پہنچتا ہے‘

اس آرڈیننس کے تحت جماعت احمدیہ کا کوئی رکن خود کو مسلمان ظاہر کرے، اپنی عبادت گاہوں کے لیے کوئی اسلامی اصطلاح استعمال کرے، ’اسلام وعلیکم‘ کہے یا ’بسم اللہ‘ پڑھے، اپنی عبادت گاہ کو مسجد کہے یا وہاں اذان دے تو اسے تین برس قید کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے۔

ان قوانین کے تحت بطور احمدی اپنے عقائد پر عمل کرنا جرم قرار دے دیا گیا تاہم دوسری جانب پاکستان کے آئین اور قانون کے مطابق کسی شخص کو مذہب یا عقیدے کی بنیاد پر نشانہ بنانا بھی قانوناً ایک جرم ہے۔

ستمبر 1974 میں ہونے والی دوسری آئینی ترمیم کے پچاس برس بعد اب صورتحال یہ ہے کہ سوشل میڈیا پر آئے روز ایسی ویڈیوز اور کلپس نظر آتے ہیں جن میں احمدی برداری کے خلاف نہ صرف اشتعال انگیز بیان جاری کیے جاتے ہیں بلکہ اس اقلیتی برادری کو ’واجب القتل‘ قرار دینے سے بھی گریز نہیں کیا جاتا۔

سوشل میڈیا اور ٹی وی پر مذہبی منافرت کے بیانات

یہ معاملہ صرف سیاسی یا مذہبی جلسے جلوسوں تک محدود نہیں بلکہ ٹی وی چینلز اور سوشل میڈیا پر بھی اس نوعیت کے بیانات جاری کیے جاتے ہیں جس کے نتیجے میں احمدیوں کی جانیں خطرے میں پڑ جاتی ہیں۔

بی بی سی اردو کی ٹیم نے اسی طرح کے ویڈیوز کو اکٹھا کیا جو ملک میں کُھلے عام سوشل میڈیا اور واٹس ایپ وغیرہ پر شیئر کی جا رہی ہیں۔

ان ویڈیوز کو انسانی حقوق کے لیے کام کرنے والے ماہر قانون یاسر لطیف ہمدانی کو دکھایا گیا تو انھوں نے کہا کہ ’یہ صریحاً قانون کی خلاف ورزی ہیں۔ یہ پیکا ایکٹ (یعنی پریوینشن آف الیکٹرانک کرائم ایکٹ 2016) کی خلاف ورزی ہیں۔‘

ان کا یہ بھی کہنا ہے کہ اس طرح کے بیانات اور اشتعال انگیزی ’پاکستان پینل کوڈ کے سیکشن 153 اے، اور 295 اے کی خلاف ورزی ہے کیونکہ آپ کسی اقلیتی برادری کو اُن کے مذہبی عقائد کی وجہ سے نشانہ بنا رہے ہیں اور یہ قابلِ گرفت جرم بھی ہے۔‘

لیکن ان ویڈیوز میں بیان دیتی شخصیات یا انھیں سوشل میڈیا پر پھیلانے والے افراد کے خلاف عموماً کسی قسم کی کوئی کارروائی نہیں کی جاتی۔

قومی کمیشن برائے انسانی حقوق کی رپورٹ کیا بتاتی ہے؟

حال ہی میں حکومت کے قومی کمیشن برائے انسانی حقوق (این سی آر ایچ) نے اقلیتوں کے حقوق کے بارے میں ایک رپورٹ شائع کی جس کا عنوان تھا ’مانیٹرنگ دی پلائیٹ آف دی احمدیہ کمیونٹی۔‘

یہ ایک سرکاری رپورٹ ہے جس میں حکومت سے مطالبہ کیا گیا ہے کہ وہ احمدیوں کو نشانہ بنانے والی نفرت انگیز تقاریر اور بیانات کے خلاف کارروائی کرے۔

پاکستان میں احمدی برادری اور اُن کو درپیش مسائل، تعصب اور تشدد کے بارے میں انسانی حقوق پر کام کرنے والے ادارے ماضی میں بھی بات کرتے رہے ہیں، لیکن پہلی بار ایک سرکاری رپورٹ میں اِس تعصب اور مسائل کا اعتراف کیا گیا ہے۔

سنہ 2024 کے اوائل میں پنجاب کے علاقے حاصل پور میں ایک احمدی شخص برہان احمد (اصل نام ظاہر نہیں کیا گیا) پر حملہ بھی اسی نوعیت کی اشتعال انگیزی کی ایک مثال ہے۔

غیر سرکاری تنظیم ہیومن رائٹس کمیشن آف پاکستان (ایچ آر سی پی) کے فیکٹ فائنڈنگ مشن کے مطابق اس واقعے میں دو نامعلوم حملہ آوروں نے احمدی برادری سے تعلق رکھنے والے ایک شخص کو گولیاں مار کر قتل کر دیا تھا۔

ایچ آر سی پی کی رپورٹ کے مطابق مقامی ڈسٹرکٹ پولیس آفیسر نے اُنھیں (کمیشن کو) بتایا کہ مقامی مسجد میں ایک اشتعال انگیز تقریر کے بعد دو نوجوان لڑکوں نے احمدی برادری سے تعلق رکھنے والے ایک شخص کا قتل کیا اور بعد ازاں اپنے مبینہ اعترافی بیان میں کہا کہ اُنھوں نے ایسا ایک مذہبی شخصیت کی جانب سے دیے گئے فتوے کی بنیاد پر اور جنت جانے کے لیے کیا۔‘

ایچ آر سی پی کے ہی فیکٹ فائنڈنگ مشن کے مطابق اس حملے سے پہلے احمدی برادری نے پولیس سے اِس اشتعال انگیزی کے بارے میں شکایت کی تھی لیکن کوئی کارروائی نہیں کی گئی۔

اس واقعے کے بعد مقتول کے گھر والوں کو اپنی جان کو لاحق خطرے کے مدِنظر اپنی زمینیں چھوڑ کر محفوظ مقام پر منتقل ہونا پڑا۔

پولیس کی ایف آئی آر کے مطابق اس شخص کا قتل صبح ساڑھے چھ بجے ہوا تھا لیکن مقتول کی اہلیہ امتہ الباری (فرضی نام) نے بی بی سی اردو سے بات کرتے ہوئے بتایا کہ پولیس دن بارہ بجے کے بعد جائے وقوعہ پر پہنچی تھی۔

بی بی سی کی ٹیم کو صورتحال بتاتے ہوئے امتہ الباری آبدیدہ ہوگئیں۔ اُن کا کہنا تھا کہ اپنے بیٹے کے ہمراہ ’جب میں نے جا کر دیکھا تو میرے شوہر مردہ حالت میں پڑے تھے، وہاں کافی لوگ جمع تھے۔‘

امتہ الباری کا مزید کہنا تھا کہ ’مجھ سے وہ منظر برداشت ہی نہیں ہوا، آپ سوچیں کہ اُس وقت کیا احساس ہو گا جب ایک بچے کے سامنے اس کا باپ مردہ حالت میں گھٹنوں زمین پر پڑا ہو۔‘

ایچ آر سی پی کی رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ پولیس نے مقتول کے ورثا کو مبینہ طور پر مشورہ دیا کہ وہ ان کے قتل کو عقیدے کی بنیاد پر تشدد کا واقعہ قرار نہ دیں۔

قومی کمیشن برائے انسانی حقوق کے اعداد و شمار کیا کہتے ہیں؟

این سی ایچ آر کی رپورٹ واضح الفاظ میں کہتی ہے کہ احمدی برادری کے خلاف مذہبی تعصب اور اُن کی جان اور اُن کے مال کو لاحق خطرات ایک فوری حل طلب مسئلہ ہیں جس کے بارے میں حکومت کو فوری کارروائی کرنے کی ضرورت ہے۔

رپورٹ کے مطابق سنہ 1984 سے اب تک احمدی برادری کے 280 افراد صرف مذہبی عقیدے کی وجہ سے قتل کیے جا چکے ہیں اور 415 دیگر افراد اپنے عقیدے کی وجہ سے حملوں کا نشانہ بنے ہیں۔

احمدی برادری اگر زندہ ہوتے ہوئے محفوظ نہیں تو مرنے کے بعد بھی اُنھیں وہ حفاظت نہیں ملتی جو کہ ریاست کی ذمہ داری ہے۔

اس رپورٹ کے مطابق جنوری 2023 سے ستمبر 2023 تک کے اعداد و شمار (نو ماہ) کا اگر جائزہ لیا جائے تو یہ کافی پریشان کن ہیں۔

رپورٹ کے مطابق 39 معاملات میں تدفین کے بعد احمدی برادری کے افراد کی لاشیں کو قبروں سے نکال لیا گیا، 99 معاملات میں قبروں کی بےحرمتی کی گئی اور 96 کیسز میں احمدی برادری کے افراد کو مشترکہ قبرستان میں تدفین کی اجازت نہیں دی گئی۔

جہاں آئے دن ہونے والے حملوں کی وجہ سے احمدیوں کی جانیں خطرے میں وہیں اقلیتی برادری کی عبادت گاہوں پر حملوں میں بھی پچھلے کچھ عرصے میں شدت آئی۔

کچھ ہی عرصہ پہلے پاکستان کے زیرِ انتظام کشمیر میں مقامی افراد کے ایک ہجوم نے احمدی برادری کی عبادت گاہ پر حملہ کیا اور مردوں اور عورتوں کو شدید تشدد کا نشانہ بنایا۔ اس علاقے میں اِس حملے سے پہلے احمدی برادری کے ساتھ تناؤ میں اضافہ ہو رہا تھا۔

احمدی برادری کے عہدیداران نے بی بی سی کو بتایا کہ حملے سے پہلے اُنھیں ڈرایا گیا اور سنگین نتائج کی دھمکیاں دی گئیں تھی، لیکن پولیس کی توجہ اس جانب دلوانے کے باوجود اس بارے میں کوئی کارروائی نہیں کی گئی۔

لیکن پاکستان میں ایسے بھی علاقے ہیں جہاں احمدی برادری اپنے ہمسایوں کے ساتھ امن اور سکون سے رہتی ہیں اور جہاں مقامی آبادی کو احمدی برادری اور اُن کی عبادتگاہوں سے کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ اس کے باوجود ان عبادت گاہوں کو بھی نقصان پہنچایا گیا ہے۔

پنجاب کا شہر شیخوپورہ ایک ایسا ہی علاقہ ہے۔ جب ملک کے دیگر شہروں سے احمدی برادری کی عبادت گاہوں کو نشانہ بنانے کی خبریں آنے لگیں تو یہاں کی مقامی آبادی نے سامنے آ کر یہ بات واضح کر دی کہ اُنھیں دراصل کوئی مسئلہ نہیں ہے۔

ماہر قانون یاسر لطف ہمدانی کے مطابق عبادت گاہوں کے خلاف پولیس کی کارروائیاں ’آئین شکنی‘ ہیں

بی بی سی اردو نے وہاں کی مقامی برادری سے ایک دستاویز حاصل کی ہے جس پر اس علاقے کے مذہبی اور مقامی رہنماؤں نے دستخط کر کے اِس بات کو واضح کیا تھا کہ اُنھیں علاقے میں رہنے والی احمدی برادری یا اُن کی عبادت گاہ سے کوئی مسئلہ نہیں ہے۔

بی بی سی اردو نے اِس دستاویز پر دستخط کرنے والے ایک شخص سے رابطہ کیا جنھوں نے بتایا کہ اس سٹامپ پیپر پر دستخط کرنے کے بعد اُنھیں اور دوسرے دستخط کنندگان کو شدت پسندوں کی طرف سے دھمکیوں اور تشدد کا نشانہ بنایا گیا۔

اسی علاقے کے ایک اور شخص نے شناخت ظاہر نہ کرنے کی شرط پر بی بی سی کو بتایا کہ ’ہم تو بھائیوں کی طرح رہتے ہیں۔ ہمارے تعلقات ٹھیک چل رہے ہیں۔‘

گو کہ اس کیس میں مقامی آبادی کو کوئی مسئلہ نہیں تھا، مگر بعض انسانی حقوق کے کارکنوں کا کہنا ہے کہ ایسا لگتا ہے کہ بعض اوقات خود ریاستی ادارے احمدی کمیونٹی کے خلاف متعصب کارروائیوں میں شامل ہو جاتے ہیں۔

اور اس کیس میں بھی کچھ ایسا ہی ہوا جب مبینہ طور پر انتہا پسند مذہبی گروہ کے دباؤ میں آ کر مقامی پولیس نے کارروائی کی اور یہاں احمدیوں کی عبادت گاہ کے کچھ حصوں کو منہدم کیا۔

حال ہی میں احمدی برادری پر تشدد، ان کے خلاف اشتعال انگیز بیانات اور پولیس پر دباؤ کے واقعات میں مختلف مذہبی گروہوں کے ساتھ ساتھ مذہبی و سیاسی جماعت تحریک لبیک پاکستان (ٹی ایل پی) کو بھی الزامات کا سامنا ہے۔

بی بی سی اردو نے ٹی ایل پی سے رابطہ کر کے ان سے ان الزامات کے بارے میں موقف جاننے کی کوشش کی ہے۔

بی بی سی سے بات کرتے ہوئے تحریک لبیک پاکستان کے سینٹرل ڈپٹی جنرل سیکریٹری مفتی عمیر الاظہری کا کہنا تھا کہ 'تحریک لبیک پاکستان جو بھی اقدامات کرتی ہے وہ قانون کے مطابق کرتی ہے۔ احمدی برادری کی جو بھی عبادت گاہیں ہیں انھیں مسلمانوں کی طرز پر بنانا، مسجدوں کی طرز پر ان کے مینار بنانا، اُس کا نام مسجد رکھنا قانونی طور پر ممنوع ہے۔ شعائر اسلام اور قانونی و آئینی اعتبار سے وہ اس بات کے پابند ہیں کہ وہ اس طرح کی عبادت گاہیں نہیں بنا سکتے۔'

مفتی عمیر کا احمدیوں کی عبادت گاہوں کے بارے میں الزام تھا کہ 'جب بھی وہ غیر قانونی اقدامات کرتے ہیں تو تحریک لبیک پاکستان کے ذمہ داران، کارکنان، خاص افراد اور عہدیداران ہمیشہ قانونی قدم اُٹھاتے ہیں، غیر قانونی نہیں۔'

بی بی سی اردو نے تحریک لبیک پاکستان کے اس دعویٰ پر کہ وہ قانونی راہ اختیار کرتے ہیں، تنظیم کے رہنماؤں کے سوشل میڈیا اور جلسوں میں اشتعال انگیز بیانات اور دیگر کارروائیوں کا جو پاکستان کے آئین اور قانون کی رو سے غیر قانونی ہو سکتی ہیں، کا تحریک لبیک کے مؤقف کے ساتھ تضاد کا ذکر کیا تو مفتی عمیر الاظہری کا کہنا تھا کہ 'سیاق و سباق سے ہٹ کر اگر کوئی بات بیان کی جائے گی اور اگر اُس کی بنیادی چیزیں ہیں اُن کو مدنظر نہیں رکھیں گے تو آپ کا تحریک لبیک پاکستان کے ذمہ داران کے بارے میں یہی مؤقف ہو گا جو آپ کا ہے۔'

احمدی عبادت گاہوں میں توڑ پھوڑ

انسانی حقوق کے سرکاری ادارے این سی ایچ آر کی رپورٹ میں صرف جنوری 2023 سے ستمبر 2023 کے جو اعداد و شمار درج ہیں وہ پریشان کن تصویر پیش کرتے ہیں۔ اس سرکاری رپورٹ کے مطابق احمدی عبادگاہوں کو نقصان پہنچانے کے متعدد واقعات میں پولیس شامل ہوئی یا موقع پر موجود رہی۔

بعض مذہبی گروہوں کا دعویٰ ہے کہ پاکستان کے قوانین کے مطابق احمدی اپنی عبادت گاہیں مسلمانوں کی عبادت گاہوں کی طرز پر نہیں رکھ سکتے اور اسی بنا پر پچھلے کچھ سالوں میں متعدد احمدی عبادت گاہوں کے بعض حصوں کو منہدم کیا گیا ہے۔

تاہم قانونی ماہرین اس بارے میں ایک عدالتی فیصلے کو اگنور کرنے کی طرف توجہ دلواتے ہیں جس میں لاہور ہائی کورٹ کا اس ضمن میں ایک فیصلہ واضح ہے جو کہتا ہے کہ یہ قانون 1984 سے پہلے تعمیر ہونے والی احمدی عبادت گاہوں پر لاگو نہیں ہوتا۔

بی بی سی اردو نے شیخوپورہ کی جس احمدی عبادت گاہ کا دورہ کیا وہ 1962-63 میں تعمیر کی گئی تھی اور لاہور ہائی کے فیصلے کے تناظر میں اُس پر بھی وہ قانون لاگو نہیں ہونا چاہیے تھا۔ شیخوپورہ میں بسنے والے ایک مقامی احمدی نے بتایا کہ احمدی برادری نے 'پولیس کو لاہور ہائی کورٹ کے فیصلے کے بارے میں بھی بتایا تھا۔'

بی بی سی اردو نے احمدی کمیونٹی کے خلاف ہونے والی کارروائیوں کو روکنے میں ناکامی اور بعض صورتوں میں ان میں شامل رہنے کے الزامات کے بارے میں پنجاب پولیس کا موقف جاننے کی کوشش کی لیکن اب تک پنجاب پولیس کی جانب سے کوئی جواب موصول نہیں ہوا۔

ماہر قانون یاسر لطف ہمدانی کے مطابق عبادت گاہوں کے خلاف پولیس کی اس نوعیت کی کارروائیاں 'آئین شکنی بھی ہے اور قانون کی خلاف ورزی بھی ہیں۔'

وہ مزید کہتے ہیں کہ پاکستان میں 'پریسیڈنٹ (ماضی کی نظیر یا مثال) کے حساب سے چلتے ہیں اور لاہور ہائیکورٹ نے جو پریسیڈنٹ سیٹ کیا ہے اس کے تحت جو احمدی عبادت گاہیں 1984 سے پہلے کی تعمیر شدہ ہیں اُن پر یہ قانون لاگو نہیں ہوتا۔'

احمدی عبادت گاہوں کے مینار گرانے اور انھیں نقصان پہنچانے کے معاملے میں پولیس کے ملوث ہونے کے الزامات کے بارے میں یاسر لطیف ہمدانی کا کہنا تھا کہ وہ (پولیس) ان عبادت گاہوں کو 'منہدم نہیں کر سکتی۔' وہ مزید یہ بھی کہتے ہیں کہ 'یہ لاہور ہائی کورٹ کا فیصلہ تھا اس لیے اگر اس کارروائی کے خلاف توہین عدالت کی درخواست دائر کی جائے تو اس بات کا قوی امکان ہے کہ عدالت پولیس کی اس کارروائی کو غیر آئینی اور غیر قانونی قرار دے۔'

بی بی سی اردو کے پروگرام سیربین میں بات کرتے ہوئے صحافی اور انسانی حقوق کی کارکن منیزے جہانگیر کا کہنا تھا کہ 'ہم دیکھتے ہیں کہ ہر سال وہ (احمدی) مزید ولنریبل (غیر محفوظ) ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ اگر دیکھیں تو پنجاب کے اندر نکاح نامے میں ایک شق ڈالی گئی ہے۔'

منیزے جہانگیر کے مطابق یہ شق احمدیوں کے خلاف تعصب کی بنیاد پر ڈالی گئی تھی۔

منیزے جہانگیر کا پاکستان کی احمدی اقلیت کو تحفظ کے حوالے سے بات کرتے ہوئے کہنا تھا کہ 'اگر آپ اُن (احمدی برداری) کے خلاف قوانین بنانا شروع کر دیں گے تو اُن کی حفاظت کرنا تو دور کی بات، آپ اُن کو مزید ولنریبل (غیر محفوظ) کر رہے ہیں۔'

انھوں نے کہا کہ 'اُن (احمدی برادری) کے لیے زمین تنگ ہوتی جا رہی ہے اور اس میں ریاست کا بہت بڑا ہاتھ ہے۔۔۔ اگر ریاست اپنا وزن اُن مذہبی گروہوں کے پیچھے ڈال دیتی ہے جو احمدیوں کو پراسیکیوٹ (استحصال) کرتے ہیں تو ظاہر ہے احمدی کمیونٹی اپنے آپ کو غیر محفوظ سمجھے گی۔'

گہرا ہوتا تعصب

نیشنل ہیومن رائٹس کمیشن کی رپورٹ میں اس بات کو تسلیم کیا گیا ہے کہ پاکستان میں احمدی برادری کے افراد کی جانیں، مال، عبادت گاہیں اور یہاں تک کہ اُن کی قبریں تک محفوظ نہیں ہیں۔

رپورٹ کے مطابق احمدیوں کے خلاف درج کیے جانے والے کیسز اور عدالتی کارروائیاں جن میں ایک، دو افراد نہیں بلکہ پوری کی پوری کمیونٹیز اور پورے کے پورے علاقوں کے مکینوں کے خلاف کیسز کا اندراج قانونی سسٹم میں موجود ایک 'سسٹیمِک' یا 'انسٹیٹیوشنل' تعصب کی نشاندہی کرتا ہے۔

بی بی سی سے بات کرنے والے مبصرین کے مطابق حکومت اور ریاست احمدی برادری کے ساتھ ہونے والی ناانصافیوں کو یا تو نظر انداز کر رہی ہے یا پھر (چند واقعات میں) اُن ناانصافیوں میں خود شامل ہو جاتی ہے۔

انسانی حقوق کی کارکن اور صحافی منیزے جہانگیر کا کہنا ہے کہ 'اگر ریاست کا یہ مائنڈ سیٹ ہے کہ وہ احمدی برادری کے خلاف تعصب یا انھیں نیچا دکھانے کے لیے قانون بنا رہی ہے تو پھر بہت مشکل ہے۔

'اگر حکومت اُن کو تحفظ دینا چاہتی ہے تو پھر اُن کا رویہ اور پالیسیز کچھ اور ہونی چاہئیں۔ اور اگر وہ اُن کو تحفظ نہیں دینا چاہتے تو آج کا جو پاکستان ہے احمدیوں کے لیے وہی ہو گا۔'

(بشکریہ بی بی سی اردو)

ڈاکٹر شاہنواز: ’ہم جلتی لاش کے شعلے دیکھ رہے تھے اور آس پاس کھڑے لوگ نعرے لگا رہے تھے‘

ریاض سہیل

’لوگوں کو جو مولوی اکسا رہا تھا اس کے پاس ڈاکٹر شاہنواز نے قرآن پڑھنا سیکھا تھا۔ اس کو شاہنواز کی ذہنی صحت کے بارے میں بھی علم تھا لیکن وہ باز نہیں آیا۔‘

یہ ڈاکٹر شاہنواز کی ایک قریبی رشتہ دار کے الفاظ ہیں جنھوں نے بی بی سی سے ڈاکٹر شاہنواز کی موت اور انھیں دفنانے کی تگ و دو کے دوران پیش آنے والے واقعات سے متعلق بات کی۔

انھوں نے دعویٰ کیا کہ ’وکیل کی مشاورت سے ڈاکٹر شاہنواز کی گرفتاری پیش کی گئی تھی اور رات کو ہم کھانا کھا کر بے فکر ہو کر سو گئے تھے کہ پولیس کے ہاتھوں میں وہ محفوظ ہے۔‘

’رات کو میڈیا پر خبریں آئیں کہ اس کو مار دیا گیا۔ ہمارے ساتھ اتنا بڑا ظلم اور دھوکہ کیا گیا۔‘

صوبہ سندھ کے شہر عمرکوٹ میں توہینِ مذہب کے مقدمے کا سامنا کرنے والے مقامی ہسپتال کے ڈاکٹر شاہنواز کنبھار کی مبینہ پولیس مقابلے میں ہلاکت کے بعد ان کے لواحقین نے ان کی تدفین کی کوشش کی تاہم مشتعل مظاہرین نے ان کی لاش کو نذرِ آتش کر دیا تھا۔

شاہنواز کنبھار کے خلاف 17 ستمبر کو توہین مذہب کا ایک مقدمہ درج کیا گیا تھا لیکن ان کی گرفتاری عمل میں نہیں آئی تھی تاہم 18 اور 19 ستمبر کی درمیانی شب ان کی ایک مبینہ پولیس مقابلے میں ہلاکت کی خبر سامنے آئی تھی۔

ان کی ہلاکت سے قبل 17 اور 18 ستمبر کو عمرکوٹ میں توہینِ مذہب کے مبینہ واقعے کے خلاف مذہبی جماعتوں کی جانب سے پرتشدد احتجاج بھی ہوا تھا۔

ڈاکٹر شاہنواز کے خلاف توہینِ مذہب کا مقدمہ مقامی مسجد کے خطیب کی مدعیت میں درج کیا گیا تھا جنھوں نے الزام عائد کیا تھا کہ ملزم نے سوشل میڈیا پر پیغمبر اسلام کے خلاف نازیبا زبان استعمال کی اور اُن کی شان میں گستاخی کی۔

ڈاکٹر شاہنواز عمرکوٹ کے سول ہسپتال میں ملازم تھے اور ایف آئی آر درج ہونے کے بعد ہسپتال کے ایم ایس نے انھیں ملازمت سے فارغ کر دیا تھا۔

شاہنواز کے رشتہ دار نے بی بی سی سے بات کرتے ہوئے یہ دعویٰ بھی کیا کہ ’ڈاکٹر شاہنواز ذہنی مریض تھے اور ان کا آغا خان میں علاج بھی جاری تھا۔ وہ ڈپریشن اور ہائپرٹینشن کی ادویات لیتے تھے۔‘

مبینہ پولیس مقابلے سے متعلق کھڑے ہونے والے تنازعے کے بعد ڈی آئی جی میرپورخاص جاوید جسکانی اور ایس ایس پی اسد چوہدری کی معطلی کے نوٹیفیکیشن جاری کر دیے گئے ہیں۔

اس سے قبل ڈی آئی جیز پر مشتمل کمیٹی تشکیل دی گئی تھی جس نے مبینہ پولیس مقابلے کی تحقیقات کرنی ہیں۔

حکومتِ سندھ کے زیرِ انتظام سندھ ہیومن رائٹس کمیشن نے بھی اپنی تحقیقات کا آغاز کر دیا ہے۔

کمیشن کے چیئرمین اقبال ڈیتھو نے عمرکوٹ میں متاثرہ خاندان، ایس ایس پی، ڈی سی اور سول سوسائٹی کے بیانات لیے جبکہ ممبر جوڈیشل جسٹس ریٹائرڈ ارشد نور نے ایس ایس پی میرپورخاص اور ایس ایچ او سمیت دیگر کے بیان قلمبند کیے اور مبینہ جائے وقوعہ کا معائنہ کیا۔

اقبال ڈیتھو نے بتایا کہ وہ اپنی رپورٹس اور سفارشات چیف سیکریٹری کو دیں گے۔

’خواتین ننگے سر اور پاؤں لاش لینے کے لیے دوڑتی رہیں‘

مبینہ پولیس مقابلے میں ہلاک ہونے والے ڈاکٹر شاہنواز کی کزن نے بی بی سی سے بات کی اور بتایا کہ کس طرح ان کے گھر کی خواتین گھنٹوں میت کا چہرہ دیکھنے کے لیے تگ و دو کرتی رہیں۔

انھوں نے بتایا کہ ’ہم خواتین بے پردہ گھر کی چار دیواری سے کبھی نہیں نکلیں لیکن لاش لینے، آخری بار میت کا چہرہ دیکھنے کے لیے صحرا میں ننگے سر اور ننگے پاؤں دوڑتی رہیں۔‘

ڈاکٹر شاہنواز کی کزن نے بتایا کہ انھیں پتہ چلا کہ لاش کو گاؤں کے اندر نہیں آنے دیا جا رہا، تو وہ اور گھر کی دیگر خواتین بنا چپلیں پہنے اور ننگے سر وہاں دوڑیں۔

’پہلے ہم گاؤں کے وڈیرے کے گھر گئیں تا کہ ان کی مدد لے سکیں لیکن انھوں نے دورازے نہیں کھولے، اس کے بعد مساجد کے خطیبوں کے گھروں پر گئے انھوں نے بھی دروازے نہیں کھولے۔ اس کے بعد ہم ایمبولینس کی طرف گئے لیکن ہمارے ماموں کار میں لاش لے گئے اور ہم واپس آ گئے۔‘

انھوں نے دعویٰ کیا کہ ’جب وہ گھر واپس آئے تو انھیں پتہ چلا کہ لاش کی بے حرمتی کر رہے ہیں اس کے بعد خواتین دوبارہ اس طرف زمین کی طرف دوڑیں جہاں لاش لے کر گئے تھے۔‘

’خاندان والے ابھی راستے میں تھے تو لوگ وہاں بھی پہنچ چکے تھے، جن کے پاس اسلحہ، پیٹرول، کلہاڑیاں تھیں اور وہاں انھوں نے لاش جلا دی تھی۔ اس دوران ہم جلتی لاش کے شعلے دیکھ رہے تھے اور آس پاس کھڑے لوگ نعرے لگا رہے تھے۔‘

’ماموں نے پانی ڈال کر آگ بجھائی اور وہ ہاتھوں میں لاش لے کر کبھی اس طرف جا رہے تھے، کبھی اس طرف۔ ہمیں چہرہ بھی نہیں دیکھنے دیا گیا۔ ہم کزنز اور دیگر خواتین روتے پیٹتے واپس آ گئیں۔‘

(بشکریہ بی بی سی اردو)

کاری!

ڈاکٹر توصیف احمد خان

پاکستان دنیا کا دوسرا ملک ہے جہاں اب بھی بچے پولیو کے مرض میں مبتلا ہوتے ہیں

مسمات الف (شناخت ظاہر نہیں کی جاسکتی) سندھ کے پسماندہ شہر جیکب آباد کے کسی گاؤں کی رہنے والی ہیں۔ ان کا تعلق ایک غریب گھرانے سے ہے۔ والدین نے اس کی شادی ایک اور غریب خاندان میں کردی۔ اس کا شوہر ٹھیلے پر اشیاء فروخت کرتا ہے، یوں ورثہ میں ملی ہوئی غربت ایک اور خاندان کو منتقل ہوئی، مسمات الف کے تین بچے پیدا ہوگئے۔ اس عورت نے اپنے خاندان کے حالات کو بہتر بنانے کے لیے حکومت سندھ کی اسکیم لیڈی ہیلتھ ورکر کے شعبہ میں ملازمت کرلی۔ مسمات الف کو بچوں کو پولیو کے قطرے پلانے والی ٹیم میں شامل کرلیا گیا، یوں کچھ آمدنی ہونے لگی، وہ تندہی سے اپنے فرائض انجام دینے لگیں اور اس کے ساتھ ساتھ گھر کے کام بھی نپٹاتی تھیں۔

اس ماہ جب بچوں کو پولیو کے قطرے پلانے کی مہم کا آغاز ہوا تو مسمات الف کی ڈیوٹی جیکب آباد کے نواحی گاؤں الٰہی بخش جکھرانی میں لگادی گئی۔ عمومی طور پر پولیو کے قطرے پلانے کی ٹیم میں تین افراد ہوتے ہیں اور ٹیم کا ایک انچارج ہوتا ہے۔ پولیس کے ایک یا دو سپاہی بھی اس ٹیم کی حفاظت کے لیے ساتھ ہوتے ہیں مگر شاید اس دن پولیس اہلکار ساتھ میں نہیں تھے جب مسمات الف نے گوٹھ اللہ بخش جکھرانی کے آخری مکان پر دستک دیدی اور میسر آنے والے بچہ کو پولیو کے قطرے پلادیے تو تین مسلح افراد اچانک کہیں سے نمودار ہوئے۔

ان مسلح افراد نے گن پوائنٹ پر مسمات الف کو اغواء کیا، جنگل میں لے گئے جہاں اس کی آبروریزی کی گئی۔ ان ظالموں نے پھر مسمات الف پر بدترین تشدد بھی کیا اور اس کی موبائل فون پر فلم بھی بنائی۔ یہ مظلوم عورت گاؤں پہنچی مگر گاؤں کے کسی فرد نے اس کی مدد نہیں کی۔ جب مسمات الف اس خوف ناک صورتحال سے گزر کر اپنے گھر پہنچی تو اس کے شوہر نے اس کو کاری قرار دے کر گھر سے نکال دیا اور تینوں بچے چھین لیے، اس جرم کا مقدمہ درج ہوا۔ مسمات الف کو ڈسٹرکٹ سیشن جج کی عدالت میں پیش کیا گیا۔ مسمات الف عدالت میں بیان دیتے ہوئے بے ہوش ہوگئیں۔ اس نے بتایا کہ سامنے آنے پر وہ ملزمان کو شناخت کرسکتی ہے۔

مسمات الف کے وکیل نے عدالت سے استدعا کی کہ مجرمانہ حملے کی ایف آئی آر میں انسداد دہشت گردی کی دفعات بھی شامل کی جائیں کیونکہ اس واقعے کے بعد بچوں کو پولیو کے قطرے پلانے کی مہم رکنے کے امکانات پیدا ہوگئے ہیں جس سے سیکڑوں بچوں کی زندگیاں خطرے میں پڑگئی ہیں۔ عدالت نے بچے شوہر سے واپس لے کر مسمات الف کے حوالے کرنے کے احکامات جاری کیے جن پر عملدرآمد بھی ہوا۔ جب اس واقعے کی سوشل میڈیا پر تشہیر ہوئی تو پولیس کو اپنے فرائض کی ادائیگی کا خیال آیا۔ آئی جی نے احکامات جاری کیے اور اس واقعے کی ڈی آئی جی سکھر رینج نے خود تحقیقات کیں۔ ڈی آئی جی سکھر پیر محمد شاہ جیکب آباد گئے۔ انھوں نے مسمات الف کے بیانات قلم بند کیے۔

> پاکستان دنیا کا دوسرا ملک ہے جہاں اب بھی بچے پولیو کے مرض میں مبتلا ہوتے ہیں۔ گزشتہ 24 برسوں سے ہر حکومت نے پولیو کے قطرے پلانے کی مہم منظم کی مگر 2011 میں اسامہ بن لادن کی ایبٹ آباد کے ایک گھر میں روپوشی، امریکی میرین دستوں کے ہاتھوں اس کی برآمدگی اور پھر ہلاکت کے بعد چاروں صوبوں میں انتہا پسند عناصر نے پولیو کے قطرے پلانے والی ٹیموں پر حملے شروع کردیے۔

مسمات الف کے والد نے ڈی آئی جی کو بتایا کہ ملزمان اور ان کی بیٹی کے سسرال والے مسلسل دھمکیاں دے رہے ہیں۔ جیکب آباد اور دیگر شہروں میں لیڈی ہیلتھ ورکرز نے احتجاج کرنا شروع کیا۔ جیکب آباد میں لیڈی ہیلتھ ورکرز نے احتجاجی جلوس نکالا۔ اس جلوس میں سول سوسائٹی کی تنظیمیں بھی شامل ہوئیں اور سوشل میڈیا پر پولیو ورکرز کے تحفظ کے تناظر میں ایک مہم شروع ہوئی۔ کراچی میں سندھ حکومت کے فیصلہ ساز رہنماؤں کو صورتحال کی سنجیدگی کا احساس ہوا تو جیکب آباد کے ڈپٹی کمشنر، ڈی ایچ او اور ایس ایس پی کی تبدیلی کے احکامات جاری کیے۔ اس کے شوہر اور دیور کو دھمکیاں دینے کے الزام میں حراست میں لے لیا گیا، مگر سندھ اور بلوچستان کی فرسودہ رسم ''کاری'' کے خاتمہ کے لیے کچھ نہ ہوسکا۔

پاکستان دنیا کا دوسرا ملک ہے جہاں اب بھی بچے پولیو کے مرض میں مبتلا ہوتے ہیں۔ گزشتہ 24 برسوں سے ہر حکومت نے پولیو کے قطرے پلانے کی مہم منظم کی مگر 2011 میں اسامہ بن لادن کی ایبٹ آباد کے ایک گھر میں روپوشی، امریکی میرین دستوں کے ہاتھوں اس کی برآمدگی اور پھر ہلاکت کے بعد چاروں صوبوں میں انتہا پسند عناصر نے پولیو کے قطرے پلانے والی ٹیموں پر حملے شروع کردیے۔

یہی وجہ ہے کہ 2012 سے اب تک 26 افراد جن میں پولیو ورکرز اور پولیس کے سپاہی شامل ہیں شہید ہوچکے ہیں اور دوسری طرف ہر سال میں کئی دفعہ پورے ملک میں چلائی جانے والی پولیو مہم کے باوجود 17 بچے پولیو کے مرض کی بناء پر معذور ہوگئے ہیں۔ پہلے سندھ میں کئی شہروں جن میں کراچی بھی شامل ہے نامعلوم افراد پولیو ورکرز پر فائرنگ کرکے انہیں ہلاک کرتے تھے مگر پھر سندھ اور پنجاب میں امن و امان کی صورتحال بہتر ہونے پر ان صوبوں میں پولیو ورکرز پر مسلح حملوں میں کمی آئی، البتہ خیبر پختون خوا اور بلوچستان میں کوئی کمی نہیں آئی۔

پولیو کے قطرے پلانے کی مہم میں شریک ایک خاتون 24 سالہ مسمات بی بی جی نے صحافیوں کو بتایا کہ عمومی طور پر دو افراد موٹر سائیکل پر آتے ہیں اور پولیو ورکرز اور ان کی حفاظت پر آنے والے پولیس کے سپاہیوں پر فائرنگ کرکے اطمینان سے فرار ہوجاتے ہیں، یہ ملزمان کبھی پکڑے نہیں جاتے۔ انتہا پسند گروہ اتنے طاقتور ہیں کہ یہ گاؤں میں بچوں کے والدین کو دھمکیاں دیتے ہیں کہ اگر انھوں نے بچوں کو پولیو کے قطرے پلوائے تو ان کی زندگی محفوظ نہیں رہے گی۔

اگر گزشتہ 50 سال کی تاریخ کا جائزہ لیا جائے تو یہ حقائق سامنے آتے ہیں کہ خیبر پختون خوا کے سیاحتی مقام سوات پر ملا فضل اللہ نے اپنے ایف ایم ریڈیو کے ذریعے پولیو کے قطرے پلانے کے خلاف مہم چلائی تھی اور وبائی امراض سے بچنے کے طریقوں کو جرم قرار دیا تھا۔ جب یہ خبریں کہ امریکا کی خفیہ ایجنسی سی آئی اے نے ایبٹ آباد میں اسامہ بن لادن کی تلاش کے لیے ڈاکٹر آفریدی کے ذریعے خون کے نمونے جمع کرنے کی مہم چلائی تھی تو پھر انتہا پسند عناصر کو پولیو کے قطرے پلانے کی مہم کے خلاف پروپیگنڈے کرنے کا نیا موقع مل گیا۔ برسر اقتدار آنے والی حکومتوں نے علمائے کرام کو پولیو کے مرض کے خاتمے کی مہم کی حمایت کے لیے تیار کیا اور ان علماء نے عوام کو بتایا کہ ان قطروں کا کوئی نقصان نہیں ہے تو کچھ حالات بہتر ہوئے تھے مگر اب سابقہ قبائلی علاقوں کے لوگوں نے پولیو کے قطرے پلانے کی مہم کے بدلے اپنے علاقوں میں ترقیاتی کام کرانے

سے مشروط کر کے صورتحال کو مزید گھمبیر کیا ہے۔

پولیو کی مہم کے ایک افسر کا کہنا ہے کہ قبائلی علاقوں میں منظّم گروہ اب پولیو کے قطرے پلانے کی مہم کو سڑکوں کی تعمیر اور واٹر سپلائی کے منصوبے شروع کرنے سے مشروط کرتے ہیں۔گزشتہ دنوں کا کا خیل قبائل نے تو یہ بھی مطالبہ کیا کہ جو لوگ آپریشن کی بناء پر علاقہ چھوڑنے پر مجبور ہوئے تھے پہلے ان افراد کو واپس لایا جائے تو صورتحال مزید خراب ہوگئی۔

پشاور کی ایک خاتون افسر کا تخمینہ ہے کہ ہر مہم میں والدین بیس ہزار کے قریب بچوں کو ویکسین پلانے سے انکار کردیتے ہیں۔بلوچستان کے بارے میں شایع ہونے والی ایک رپورٹ میں بتایا گیا تھا کہ پشتون علاقہ میں والدین لڑکیوں کو تو قطرے پلانے پر تیار ہوجاتے ہیں مگر اپنے لڑکوں کو جس کو اس علاقے میں Gold Child کہا جاتا ہے قطرے پلانے پر تیار نہیں ہوتے۔بعض عناصر یہ بھی پروپیگنڈا کرتے ہیں کہ پاکستان میں بل گیٹس جیسے آدمی کو اس مہم کے لیے اتنی سرمایہ کاری کی کیا ضرورت ہے؟ ان گمراہ کن عناصر کو کوئی بتانے والا نہیں ہے کہ جب کوئی پولیو کا مریض دوسرے ملک جاتا ہے تو وہاں اس مرض کے پھیلنے کا خطرہ پیدا ہوجاتا ہے۔

پولیو کی مہم کی بناء پر ایک معصوم عورت کو کاری قرار دینا سندھی سماج کی پسماندگی کی انتہا ہے۔عورت کے شوہر اور دیور کی گرفتاری سے عورت کو تحفظ حاصل نہیں ہوگا۔اس رسم کے خاتمے کے لیے بہت زیادہ بڑے اقدامات کی ضرورت ہے۔ ریاستی اداروں کو پولیو کے قطرے پلانے والے کارکنوں کے تحفظ کے لیے ان انتہا پسند گروہوں کا خاتمہ کرنا ہوگا جو انھیں نشانہ بناتے ہیں۔مضمون میں تذکرہ ہوا تھا کہ کس طرح ایک یہودی بروکر خائم سالومن نے امریکا کی جنگِ آزادی کو کامیابی سے ہمکنار کرنے کے لیے خود کو سرمائے سمیت آزادی کے مقصد کے لیے وقف کر دیا۔خائم کے بعد امریکا کی یہودی کمیونٹی نے پچھلے ڈھائی سو برس میں خود کو کس طرح مقامی سیاست اور حکومت میں فعال رکھا۔آج اس بابت کچھ بات کرتے ہیں۔

امریکن اسرائیل کوآپریٹو انٹرپرائیز کا ایک کام امریکی زندگی میں یہودیوں کی حصہ داری کو نمایاں کرنا ہے۔اس کے جمع کردہ تحقیقی مواد کے استفادے سے درج ذیل معلومات حاصل ہوئیں۔امریکا کے اعلانِ آزادی سے ایک سال پہلے ریاست جنوبی کیرولائنا کی قانون ساز اسمبلی کے لیے فرانسس سلواڈور نامی پہلا یہودی منتخب ہوا۔اور اگلے برس فرانسس سلواڈور امریکا کی جنگِ آزادی میں لڑتے ہوئے کام آ گیا۔

چارلس لیون پہلا یہودی سیاستدان تھا جو اٹھارہ سو پینتالیس میں وفاقی کانگریس کے ایوانِ نمایندگان کے لیے منتخب ہوا۔اسی برس ڈیوڈ لیوی کو پہلا امریکی یہودی سینیٹر منتخب ہونے کا اعزاز حاصل ہوا۔

کسی بھی امریکی شہر (پورٹ لینڈ۔ریاست اوریگون) کا پہلا یہودی میئر بننے کا اعزاز اٹھارہ سو انہتر میں برنارڈ گولڈ اسمتھ کو حاصل ہوا۔واشنگٹن بارٹلیٹ پہلا یہودی سیاستدان تھا جو اٹھارہ سو ستاسی میں کسی بھی امریکی ریاست (کیلی فورنیا) کا پہلا گورنر منتخب ہوا۔امریکا کی صدارتی کابینہ میں پہلی بار کسی یہودی سیاستداں کو (انیس سو چھ) وزارتی قلمدان (تجارت و لیبر) ملا۔ان کا نام تھا آسکر اسٹراس۔

لوئی برانڈیس پہلے یہودی قانون دان تھے جنھیں انیس سو سولہ میں سپریم کورٹ کا جج بنایا گیا۔ (ان سے پہلے اٹھارہ سو ترپن میں صدر میلارڈ ملفورڈ نے جوڈا بنجمن کو سپریم کورٹ کا جج بننے کی پیش کش کی مگر جوڈا نے اسے بوجوہ قبول نہیں کیا)۔

فلورنس پراگ کہان پہلی یہودی خاتون تھیں جو انیس سو پچیس میں ایوانِ نمایندگان کی رکن منتخب ہوئیں۔انیس سو چونتیس میں ہنری مارگینتھو پہلے یہودی امریکی وزیرِ خزانہ بنے۔

انیس سو چونسٹھ کے صدارتی انتخابات میں ڈیموکریٹ صدر لنڈن بی جانسن کے مدِ مقابل ریپبلکن امیدوار سینیٹر بیری گولڈ واٹر تھے۔وہ فضائیہ کے سابق جنرل رہ چکے تھے۔گولڈ واٹر بہت کم ووٹوں سے صدر بنتے بنتے رہ گئے۔ان کے والد یہودی مذہب پر قائم رہے مگر گولڈ واٹر اپنی والدہ کے اثرات میں انگلیکن چرچ کے پیروکار تھے)۔اگرچہ کوئی آئینی پابندی نہیں ہے مگر اب تک کوئی غیر مسیحی امریکی صدارت کا حلف نہیں اٹھا سکا)۔

جیمز شیلسنگر پہلے یہودی سیاستدان تھے جنھیں انیس سو تہتر میں امریکی وزارتِ دفاع کا قلمدان ملا۔انھوں نے نکسن اور فورڈ انتظامیہ کے تحت دو برس خدمات انجام دیں۔

اگرچہ صدر نکسن کے قومی سلامتی کے مشیر اور بعد ازاں نکسن اور فورڈ دور کے وزیرِ خارجہ ہنری کسنگر جرمنی سے امریکا ہجرت کر کے آنے والے ایک یہودی خاندان سے تھے۔مگر انھیں اپنا یہ تعارف پسند نہیں تھا۔وہ نظریے کے بجائے عملی تقاضے نبھانے والی سفارت کاری کے لیے جانے گئے اور ان کی کئی پالیسیوں کو یہودی و اسرائیلی لابی بھی ناپسند کرتی تھی۔ ان کے بارے میں ہم جلد تفصیلی بات کریں گے۔

ایڈورڈ لیوی انیس سو پچھتر میں امریکی انتظامیہ کے پہلے یہودی اٹارنی جنرل بنے۔جدید امریکی سیاست میں فعال خواتین کرداروں میں ڈائینی فینسٹائین کا نام بہت اوپر ہے۔وہ پہلی بار انیس سو ستتر میں کسی بڑے امریکی شہر (سان فرانسسکو) کی میئر بنیں اور لگاتار دو مدتیں پوری کیں۔انیس سو بانوے میں ڈائینی اور باربرا باکسر کیلی فورنیا سے پہلی خاتون سینیٹرز کے طور پر منتخب ہوئیں۔دونوں کا تعلق متوسط یہودی خاندانوں سے تھا۔

ڈائینی اکتیس برس تک مسلسل سینیٹر رہیں۔اس حیثیت میں انھوں نے ماحولیات کے تحفظ، منشیات کی حوصلہ شکنی، صنفی تشدد، انسانی اسمگلنگ، اور جعلی ادویات کے خلاف موثر قانون سازی میں حصہ لیا۔انھوں نے سی آئی اے کے نظر بندی کیمپوں اور قیدیوں پر تشدد کے بارے میں ایک چھ سالہ جائزہ مرتب کیا۔اس کے سبب قیدیوں سے راز اگلوانے کے لیے پر تشدد طریقوں میں واضح تبدیلی کے لیے سی آئی اے کو پابند کیا گیا۔انھوں نے سینیٹ کی انٹیلی جینس اور عدلیہ کمیٹی کی سربراہی بھی کی اور امریکن اسرائیل پبلک افیرز کمیٹی (ایپک) میں بھی فعال کردار ادا کیا۔مگر وہ ایران کے ساتھ جوہری سمجھوتہ کرنے کی بھی وکیل تھیں۔دو ہزار تئیس میں نوے برس کی عمر میں ڈائینی فینسٹائن کا انتقال ہوا۔وہ سینیٹ میں سب سے طویل عرصہ گزارنے والی پہلی خاتون سیاستدان تھیں۔روتھ گنز برگ پہلی خاتون یہودی قانون دان تھیں جو انیس سو ترانوے میں امریکی سپریم کورٹ کی جج بنیں۔

سینیٹر جو لبرمین سن دو ہزار کے صدارتی انتخابات میں ڈیموکریٹ صدارتی امیدوار ایل گور کے نائب صدارتی امیدوار تھے۔ریپبلکن امیدوار جارج بش تکنیکی بنیادوں پر کامیاب قرار دیے گئے۔بصورتِ دیگر جو لبرمین پہلے منتخب یہودی نائب صدر ہوتے۔لبرمین کٹر اسرائیل نواز تھے۔انھوں نے انیس سو پچانوے میں کانگریس سے یروشلم ایمبیسی ایکٹ منظور کروانے میں بنیادی کردار ادا کیا۔اس ایکٹ میں صدر کو پابند کیا گیا کہ وہ امریکی سفارتخانہ تل ابیب سے یروشلم منتقل کرے۔بالآخر بیس برس بعد صدر ٹرمپ نے اس مطالبے کو پورا کیا۔جو لبرمین کا گزشتہ برس مارچ میں بیاسی برس کی عمر میں انتقال ہوا۔

رکنِ کانگریس ایرک کینٹر دو ہزار گیارہ تا چودہ ایوانِ نمایندگان میں ریپبلکن اکثریت کے قائد رہے۔وہ کانگریس کے کسی بھی ایوان میں پہلے یہودی پارلیمانی قائد تھے۔

چک شوما خر گزشتہ تئیس برس سے امریکی سینیٹ میں نیویارک کی نمایندگی کر رہے ہیں۔وہ نیویارک میں ہی روس سے ہجرت کر کے بسنے والے ایک یہودی خاندان کے چشم و چراغ ہیں۔دو ہزار سولہ میں وہ سینیٹ میں ڈیموکریٹ پارٹی کی جانب سے قائدِ حزبِ اختلاف بنے اور دو ہزار بائیس میں سینیٹ میں ڈیموکریٹ اکثریت ہونے کے بعد قائدِ ایوان بن گئے۔اسرائیل پر دل و جان سے فدا ہیں۔بھلے وہاں کسی کی بھی حکومت ہو۔ (بشکریہ ایکسپریس اردو)

غافل عوام اور جاگیردارانہ نظام

اخونزادہ اظہار الدین

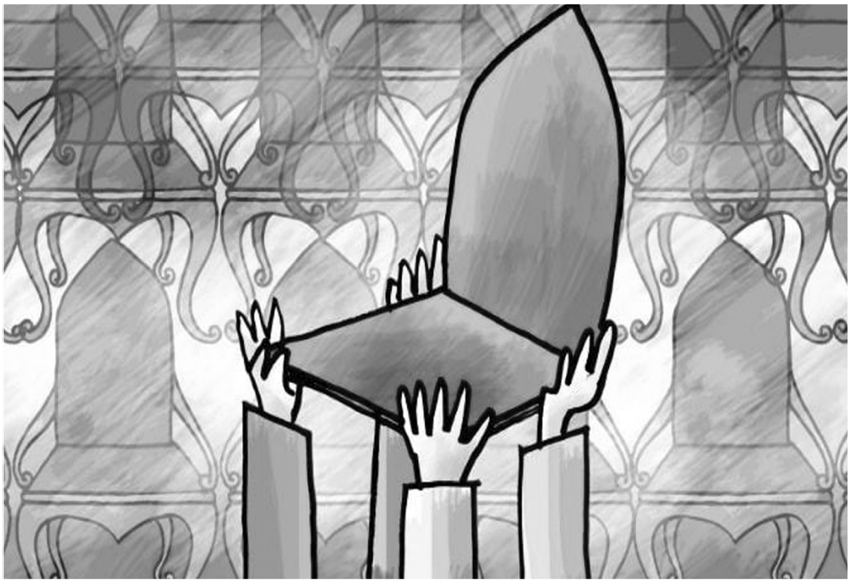

پاکستان میں الیکشن کے دوران سیاسی جماعتیں وعدے تو کرتی ہیں لیکن ان کے رہنما منتخب ہونے کے بعد پانچ سالوں میں چند ہی مرتبہ اپنے حلقوں کا رخ کرتے ہے۔ اور دوبارہ الیکشن کے آتے ہی وہی لوگ پہلے سے زیادہ وعدے کرتے ہیں اور عوام پھر ان کے جال میں پھنس کر دوبارہ ان کو منتخب کرتے ہیں۔ یا پھر ایک پارٹی کے بعد دوسری پارٹی کی باری آتی ہے۔ شطرنج کی طرح وہی پرانا کھیل وہی پرانے مہرے صرف چہرے بدلتے رہتے ہیں

کوئی آتا ہے کوئی جاتا ہے محفل رنگ وہی ہے
ساقی کی نوازش جاری ہے مہمان بدلتے رہتے ہیں

کیا ہم نے اس پر غور کیا ہے کہ عوام سے ٹیکس وصول کیا جاتا ہے؟ پاکستان میں وسائل کی کمی نہیں ہے پھر بھی مہنگائی بڑھتی جارہی ہے۔ وہی وعدے جو سیاسی جماعتیں کرتی ہیں پانچ سال گزر جانے کے باوجود پورے نہیں ہوتے۔ کیا ووٹ دیتے وقت عوام سوچتے ہیں کہ جس سیاسی پارٹی کو وہ ووٹ دے رہے ہیں اس نے پہلے کون کونسے وعدے پورے کیے ہیں؟ کیا اس پارٹی نے پاکستان کو ترقی کی راہ پر گامزن کیا ہے؟ جس شخص کو ہم نے پچھلی بار منتخب کیا تھا وہ پہلے زیادہ امیر تھا یا منتخب ہونے کے بعد امیر بن گیا؟ جس شخص کے حق میں، میں ووٹ دیتا ہوں واقعی ان کا کام گلی کوچوں کو پکا کرنا، ٹرانسفر مرلگانا ہے؟ اگر یہ سب کام ایک ایم این اے یا ایم پی اے کے دائرہ اختیار میں آتے ہیں تو پھر لوکل گورنمنٹ کے نمائندے کس مقصد کے لے منتخب ہوتے ہیں؟

ایم این اے کا کام ملک کے لیے پالیسی اور قوانین بنانا ہے نہ کہ گلے کوچوں کو پکا کرنا۔ یہی وجہ ہے کہ آج بھی پاکستان میں 1860 اور 1884 میں بننے والے انگریز دور کے قوانین نافذ العمل ہیں۔

پچھلی حکومت کے آخری دنوں میں قومی اسمبلی سے ایک ہی دن میں کئی بل پاس ہوئے۔ جب کئی منتخب ایم این ایز سے اسمبلی کے باہر پوچھا گیا تو وہ نہیں جانتے تھے کہ ہم نے جو بل اسمبلی میں پاس کئے ان میں کیا تھا اور کس مقصد کے لیے یہ بلز پاس ہوئے۔

جب کوئی سیاسی پارٹی الیکشن ہار جاتی ہے یا اسے حکومت میں حصہ نہیں ملتا تو سڑکوں پر نکل کر حکومت وقت کے خلاف احتجاج کرتے ہے۔ سیاسی جماعتیں کیوں اکٹھی ہوجاتی ہیں؟ عوام کی خاطر یا اپنے مفادات کے لیے؟ اگر عوام کے لیے اکٹھے ہوتے ہیں تو پھر عوام اتنے بدحال کیوں؟ ایک سابق وزیر الیکشن سے پہلے پیپلز پارٹی کو یہ طعنہ دیتے تھے کہ سندھ میں جہاں سے انسان پانی پیتا ہے وہاں سے جانور بھی پانی پیتے ہیں۔ آج وہ اور پیپلز پارٹی دونوں حکومتی اتحادی ہیں جبکہ

پاکستان میں 77 سالوں سے جاگیردارانہ نظام چلا آرہا ہے۔ رہنما یہ نعرہ لگاتے ہیں کہ وہ مہنگائی کو کم کرینگے، دہشت گردی کو ختم کرینگے، کرپشن کا راستہ روکیں گے، نوکری کے مواقع بڑھائینگے۔ وہ عوام کو ان کے مسائل کے بارے میں بتاتے ہیں لیکن ان مسائل کو ختم نہیں کرتے۔ عوام ان کے نعروں میں آکر ان جماعتوں کو سپورٹ کرتے ہیں، ووٹ بھی دیتے ہیں اور جاگیردارانہ طبقے کے لیے اپس میں لڑتے بھی ہے۔

پیپلز پارٹی کے مصطفیٰ نواز کھوکھر کو اپنے پارٹی پالیسی سے اختلاف کرنے پر سینٹ سے مستعفی ہونا پڑا اور بعد میں پارٹی چھوڑنا پڑی۔ 2021 میں پیپلز پارٹی کے انٹرا پارٹی الیکشن میں پارٹی کے صدر اور چیئرمین بلا مقابلہ منتخب ہوئے۔ 2022 میں پی ٹی آئی کے انٹرا پارٹی الیکشن میں چیئرمین اور وائس چیئرمین بلا مقابلہ منتخب ہوئے۔ 2023 میں ن لیگ کے انٹرا پارٹی الیکشن میں صدر، چیف آرگنائزر اور فائنانس سیکرٹری بلا مقابلہ منتخب ہوئے۔ پاکستان کی تین بڑی پارٹیوں میں کوئی شخص اس قابل نہیں تھا کہ ان منتخب پارٹی عہدیداران کے مقابلے میں کھڑا ہوسکتا؟ ہر سیاسی پارٹی میں موروثیت پائی جاتی ہے۔ جب کسی سیاسی پارٹی کے انٹرا پارٹی الیکشن میں شفافیت نہ ہو تو عوام کے ووٹ کی کیا قدر ہوگی؟ پارٹی کی قیادت چند لوگوں کے ہاتھوں میں ہو تو وہی لوگ آسانی سے دوسروں کے زرغے میں آکر اپنے مفادات کو عوامی مفادات پر فوقیت دیتے ہے۔

پاکستان میں 77 سالوں سے جاگیردارانہ نظام چلا آرہا ہے۔ رہنما یہ نعرہ لگاتے ہیں کہ وہ مہنگائی کو کم کرینگے، دہشت گردی کو ختم کرینگے، کرپشن کا راستہ روکیں گے، نوکری کے مواقع بڑھائینگے۔ وہ عوام کو ان کے مسائل کے بارے میں بتاتے ہیں لیکن ان مسائل کو ختم نہیں کرتے۔ عوام ان کے نعروں میں آکر ان جماعتوں کو سپورٹ کرتے ہیں، ووٹ بھی دیتے ہیں اور جاگیردارانہ طبقے کے لیے اپس میں لڑتے بھی ہے۔

جب تک عوام میں بحیثیت شہری سیاسی شعور پیدا نہ ہو ہم اپنے حقوق سے محروم رہیں گے۔ ٹیکس دینا، اور ملکی قوانین کا احترام کرنا ہر ایک شہری کی زمہ داری ہے تو اس ٹیکس اور ملکی وسائل کا عوام کی فلاح و بہبود اور ملک کی ترقی میں استعمال ہونا، یکساں نظام تعلیم اور صحت کی سہولیات کا ہونا عوام کا بنیادی حق بھی ہے۔ ملک و قوم کی خدمت کرنا، ملکی وسائل کو ملک کی ترقی میں استعمال کرنا، ملک میں انصاف لانا، کرپشن اور رشوت کو ختم کرنا، روزگار کے مواقع فراہم کرنا سیاسی رہنماؤں کا اولین فریضہ ہے۔

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال اپ اپنی حالت بدلنے کا

چولستانی تنظیموں نے الاٹمنٹ لیٹر نہ ملنے پر مشترکہ جدوجہد کا فیصلہ کرلیا

خواجہ اسداللہ

بائیومیٹرک تصویر اور اب شادی شدہ شخص سے نکاح نامہ طلب کر کے چولستانیوں کو پریشان کرنے کے تاخیری حربے استعمال کیے جارہے ہیں

ضلع بہاولپور میں 6 ستمبر کو چولستان دفاع کونسل نے ''یوم دفاع'' کے حوالے سے اپنے دفتر میں ایک تقریب کا اہتمام کیا جس میں چولستانیوں کے حقوق کے تحفظ کیلئے متحرک چولستان کی آواز، چولستان بچاؤ تحریک، اور تحریک بحالی حقوق چولستان کی تنظیموں کے عہدیداران سمیت پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کے ممبران وحیدالحسن، رانا محبوب انور، شیخ مقبول حسین اور خواجہ اسداللہ نے شرکت کی۔

گفتگو کا آغاز کرتے ہوئے ماسٹر اللہ رکھا صدر چولستان دفاع کونسل نے شرکاء کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا کہ آج ملک بھر میں یوم دفاع منایا جا رہا ہے اور ہم بھی اس عزم کا اعادہ کرتے ہیں کہ اپنے وطن کے دفاع کیلئے اپنا سب کچھ قربان کر دیں گے اور اسی طرح اپنی دھرتی ماں چولستان کے تحفظ کیلئے بھی جان کی بازی لگا دیں گے۔ ہماری دھرتی پر غیر قابض ہوتے جا رہے ہیں، حکومتی پالیسیوں کی بابت ہمیں اقلیت میں بدلا جا رہا ہے اور حقوق سے محروم رکھا جا رہا ہے۔

ماسٹر اللہ رکھا نے بتایا کہ ڈیجیٹل قرعہ اندازی کو ہوئے 9 ماہ ہو چکے ہیں جس میں 27 ہزار سے زائد بے زمین چولستانی کسانوں کو آدھا مربع کی الاٹمنٹ ہوئی مگر چولستان ڈویلپمنٹ اتھارٹی نے اب تک 3500 کے قریب کسانوں کو دخل جاری کیے ہیں جس سے ادارہ کی ناانصافی واضح ہے حالانکہ عدالتی احکامات کے مطابق اب تک تمام چولستانی کسانوں کو دخل مل جانے چاہیے تھے۔ آئیے حقوق کے حصول اور تحفظ کیلئے چولستان کی متحرک تنظیمیں مشترکہ مفادات کیلئے متحد ہوں۔ راشد مجید صدر چولستان کی آواز نے بات کرتے ہوئے عزم دہرایا کہ وہ اپنے ملک کے ساتھ ساتھ چولستان کی حفاظت کیلئے ہمہ وقت تیار ہیں۔ اپنے حقوق سے محروم چولستانیوں کا مطالبہ ہے کہ انہیں فوری دخل جاری کیئے جائیں، ادارہ نے کس کے حکم پر دخل جاری کرنے روک دیئے ہیں؟ یہ صرف اور صرف تاخیری حربے ہیں تا کہ چولستانی زمین کے مالک نہ بن سکیں اور دلبرداشتہ ہو کر غیر چولستانی لوگوں کو اپنی الاٹ سستی بیچ دیں۔ لیکن ہم ایسا نہیں ہونے نہیں دیں گے۔ راشد مجید نے مزید بتایا کہ چولستان ڈویلپمنٹ اتھارٹی قبضہ مافیا اور سیاسی نمائندوں کی کٹھ پتلی بن گئی ہے۔ ہزاروں الاٹیوں نے حکومتی فیس زرمتاجری کے چالان ادا کر دیئے ہیں مگر ادارہ انہیں دخل اور قبضہ سلپ جاری نہیں کر رہا بلکہ زمین کی نشاندہی بھی نہیں کر رہا جسکی وجہ سے الاٹی پریشان ہیں۔ انہیں زمین کی نشاندہی مل جائے تا کہ کسان ان ٹیلوں کو ہموار کر کے کاشت کے قابل بنائے مگر ادارہ جان بوجھ کر تاخیری حربے اختیار کر رہا ہے تا کہ چولستانی زمین آباد نہ کر سکیں اور ادارہ کو حق ہوتا ہے کہ وہ ایسے الاٹی کی الاٹ کینسل کر دے۔ ڈاکٹر جیون رام نے بتایا کہ ہماری ہندو آبادی کو بہت کم تناسب سے الاٹ ہوئی ہے اسکی وجہ ہماری ہندو کمیونٹی کے پاس شادی کا نکاح نامہ نہیں اور جن کو الاٹ ہوئی ہے وہ بھی بڑے بڑے ٹیلے اور دخل بھی چند لوگوں کو ملے ہیں۔ ہماری حکومت سے اور پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق سے درخواست ہے کہ وہ ہماری مدد کرے تا کہ ہمیں اپنا حق مل سکے۔

حکیم گل بہار جنرل سیکرٹری تحریک بحالی حقوق چولستان نے کہا کہ آپ سب کی توجہ ایک اہم مسئلہ کی جانب دلاتا ہوں کہ جن الاٹیوں کو خوش قسمتی سے وہ الاٹ ملی ہے جو مکمل آباد ہے تو محکمہ اس الاٹ کو قبضہ مافیا کی خواہش پر اے۔ کیٹیگری میں شمار کر رہا ہے اور قبضہ مافیا کو ادارہ مشورہ دیتا ہے کہ آپ محکمہ سے اسٹے آڈر حاصل کریں کہ یہ الاٹ "بی" کیٹگری کی نہیں ہے۔

ادارہ کے کرپٹ اہلکاروں کی وجہ سے سینکڑوں الاٹیوں کو دخل اس وجہ سے روک دیئے گئے ہیں حالانکہ اس رقبہ کا شمار "B" کیٹیگری میں ہوتا ہے مگر قبضہ مافیا نے اس رقبہ کو آباد کیا اور برسوں سے اُس رقبہ پر کاشت ہو رہی ہے۔ اب یہ رقبہ "A" کیٹیگری میں شمار ہوگا تو اس کی نیلامی ہوگی اور اس طرح یہ رقبہ مافیا کے پاس چلا جائے گا۔ حکیم گل نے ایک اور مسئلہ کی جانب توجہ دلائی کہ نہر مراد اور چکوک کے 15 چکوک کے 1400 الاٹیوں کے دخل بھی رُکے ہوئے ہیں اور کسی کو ایک الاٹ بھی نہیں ملی وجہ یہ بتائی جارہی ہے کہ یہ جگہ دفاعی مقاصد کیلئے وقف کی گئی ہے۔ اس حوالے سے ایڈیشنل کمشنر کے پاس کیس درج ہے۔

رائے گل محمد ڈاہا نے گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے بتایا کہ سی ڈی اے مختلف حربے آزما رہا ہے تا کہ دخل جاری نہ کرے۔ اب ادارہ نے دخل پر بائیومیٹرک کرنے کا سوچا ہے اور دخل کے کاغذ پر تصویر لگائے گا۔ انہوں نے خدشہ ظاہر کیا کہ چولستانی کھیتوں میں کام کرنے والے افراد میں اگر بائیومیٹرک کا پروسیس ہوا تو ان کے انگوٹھوں اور انگلیوں کے نشانات محنت کی وجہ سے ختم ہو جاتے ہیں اور اس طرح چولستانی زمین کے دخل کیلئے ترستے رہیں گے اور مختلف دفاتر کے چکر لگاتے رہیں گے۔ انہوں نے کہا کہ سی ڈی اے کے پاس ہر الاٹی کا مکمل بائیو ڈیٹا موجود ہے تو دوبارہ سے بائیومیٹرک تصویر اور اب شادی شدہ شخص سے نکاح نامہ طلب کر کے چولستانیوں کو پریشان کرنے کے تاخیری حربے استعمال کیے جار ہے ہیں۔ حکومت کو چاہیے کہ وہ اپنے شہریوں کی فلاح و بہبود کے لیے کام کرے نہ کہ ان کی پریشانیوں میں اضافہ کرے۔

محمد اعجاز بلوچ پرنسپل گورنمنٹ بوائز ہائر سکنڈری سکول چک نمبر 21/DRB نے بتایا کہ میرے ادارے میں صرف 6 اساتذہ ہیں جبکہ ڈسٹرکٹ میں جماعت نہم و دہم کا رزلٹ اول نمبر آیا ہے۔ میری حکومت سے درخواست ہے کہ وہ چولستان بھر کے سکولوں میں اساتذہ کی کمی کو پورا کرے۔ چولستانی بچے تعلیم حاصل کرنے کا جذبہ رکھتے ہیں مگر سکولوں اور اساتذہ کی کمی کے سبب وہ اپنی تعلیم مزید آگے جاری نہیں رکھ سکتے۔ انسانی حقوق کے کارکن خواجہ اسداللہ نے کہا کہ حقوق آسانی سے نہیں ملتے ان کے لیے بھرپور جدوجہد کرنی پڑتی ہے تب جا کر حاصل ہوتے ہیں۔ انہوں نے تمام تنظیموں کے مشترکہ مفادات کیلئے مشترکہ جدوجہد کو سراہا کہ ان کے اس عمل سے چولستانیوں کو حقوق کے حصول کیلئے آسانی ہوگئی ہے۔ خواجہ اسداللہ نے مزید کہا کہ چولستان کے بے زمین کسانوں کو 2009ء سے ہر آنے والی حکومت نے تسلی دی کہ آپ کو زمین کا مالک بنائیں گے مگر جھوٹی تسلیوں کے سوا کچھ نہ دیا۔ 2023ء میں پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کی تحریک کی بناء پر اور عدالت عالیہ لاہور ہائی کورٹ کی بدولت پنجاب کی نگران حکومت نے قرعہ اندازی کے ذریعے 27 ہزار سے زائد کسانوں کو مالک بنایا ہے مگر ابھی تک 24 ہزار سے زائد کسانوں کو دخل نہیں ملے، صرف 3500 سو کسانوں کو دخل ملے ہیں۔ خواجہ اسداللہ نے شرکاء کو بتایا کہ پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کی سپیشل ٹاسک فورس جنوبی پنجاب کے کوآرڈینیٹر فیصل محمود تنگوانی کے ہمراہ چولستان ڈویلپمنٹ اتھارٹی کے مینیجنگ ڈائریکٹر سے ملاقات ہوئی ہے اور اُن سے پہلا سوال ہی یہ تھا کہ چولستانیوں کو دخل کا اجراء کیوں روک دیا گیا ہے۔

ایم ڈی طارق بخاری نے بتایا کہ مجھے چارج سنبھالے ہوئے ایک ماہ ہوا ہے۔ مجھ سے پہلے دخل کا اجراء روک دیا گیا تھا، گذشتہ 8 ماہ میں صرف 3500 دخل جاری ہوئے ہیں۔ ان کا مزید کہنا تھا کہ وہ طریقہ کار کو سمجھ رہے ہیں اور بہت جلد دخل کا اجراء شروع کریں گے۔ وہ چولستانیوں کے تمام مسائل حل کروائیں گے لیکن انہیں کام کرنے کیلئے کچھ وقت دیا جائے۔

خواجہ اسداللہ نے شرکاء کو یقین دلایا کہ پسماندہ طبقات کے حقوق کے تحفظ اور حصول کیلئے میرا ادارہ آپ کے ساتھ ہے اور وہ دخل کے حصول کے حوالے سے قانونی کارروائی کیلئے آپ کی تجاویز سے اپنی تنظیم کو آگاہ کریں گے۔

پنجگور میں پنجاب کے سات مزدوروں کا قتل: ’وہ اپنی شادیوں کے لیے پیسے جمع کر رہے تھے‘

محمد کاظم اور محمد زبیر خان

’چھوٹا بھائی شادی کے لیے پیسے جمع کرنے کی غرض سے محنت مزدوری کرنے پنجگور گیا تھا۔ دو ماہ بعد اس کی شادی ہونی تھی۔ ہم تیاریوں میں مصروف تھے کہ ہمیں اس کی موت کی اطلاع ملی۔ گھر کی خوشیاں ماتم میں تبدیل ہوگئی ہیں۔‘

صوبہ پنجاب کے ضلع ملتان کے علاقے شجاع آباد سے تعلق رکھنے والے محمد حنیف کے چھوٹے بھائی محمد شفیق ان سات افراد میں شامل تھے جنھیں نامعلوم افراد نے سنیچر کی شب بلوچستان کے شہر پنجگور میں فائرنگ کرکے ہلاک کیا۔

پنجگور پولیس کے ایک اہلکار نے بتایا کہ ’مسلح افراد نے انھیں دیوار کے ساتھ کھڑا کر کے گولیاں ماردیں۔ ان میں سے صرف ایک بچ گیا جبکہ سات افراد موقع پر ہلاک ہوگئے۔‘

اس واقعے میں ہلاک ہونے والے محمد ساجد، محمد خالد، محمد سلمان، محمد افتخار، محمد شفیق، محمد رمضان اور محمد فیاض کا تعلق صوبہ پنجاب سے تھا اور مقتولین آپس میں رشتہ دار بھی تھے۔

پنجگور پولیس کے ایس ایچ او ظہیر بلوچ کا کہنا ہے کہ مارے جانے والے افراد محنت کش تھے جو علاقے میں لوگوں کے مکان تعمیر کرتے تھے۔ ’یہ لوگ ایک جگہ پر کام نہیں کرتے تھے بلکہ مختلف علاقوں میں کام کرتے تھے لیکن ان کی رہائش ایک جگہ پر تھی جہاں وہ رات کو جمع ہوتے تھے۔‘

واقعے کی تفتیشی ٹیم میں شامل ایک اہلکار نے نام ظاہر نہ کرنے کی شرط پر بتایا کہ حملے میں زخمی ہونے والے بلال نامی مزدور نے اپنے بیان میں کہا ہے کہ ’دو مسلح افراد دیوار پھلانگ کر اس مکان میں داخل ہوئے جہاں یہ رہائش پذیر تھے۔ جس وقت مسلح افراد وہاں پہنچے تو یہ لوگ رات کا کھانا کھا رہے تھے۔‘

’حملہ آوروں نے آتے ہی آٹھوں افراد سے کہا کہ وہ اپنا منہ دیوار کی طرف کر کے ایک لائن میں کھڑے ہوجائیں۔ جب یہ لوگ کھڑے ہوگئے تو انھوں نے ان پر اندھا دھند فائرنگ کی۔‘

پولیس اہلکار کے مطابق اس واقعے میں اگرچہ بلال بہت زیادہ زخمی نہیں ہوا تھا لیکن ’موت کا خوف ایسا ہوتا ہے کہ وہ ہوش وحواس کھو بیٹھا تھا۔‘ بلال کو ہسپتال منتقل کیا گیا جہاں وہ تھوڑی دیر بعد جب سنبھلا تو اس نے پولیس اہلکاروں کو حملے کے بارے میں یہ معلومات دیں۔‘ اہلکار نے بتایا کہ سی ٹی ڈی نے اس واقعے کے بارے میں مختلف پہلوؤں سے تحقیقات کا آغاز کر دیا ہے تاہم یہ ایک ٹارگٹ کلنگ کا واقعہ ہے۔ اگرچہ خدابادان کے علاقے میں پیش آنے والے اس واقعے کی ذمہ داری تاحال کسی نے قبول نہیں کی ہے تاہم ماضی میں بدامنی کے ایسے واقعات کی ذمہ داری کالعدم بلوچ عسکریت پسند تنظیموں کی جانب سے قبول کی جاتی رہی ہیں۔

پنجاب کے جنوبی اضلاع سے کارکنوں اور مزدوروں کی قابلِ ذکر تعداد کام کی تلاش میں بلوچستان کا رخ کرتی ہے اور گذشتہ ایک برس کے دوران بلوچستان میں پنجاب سے تعلق والے ایسے افراد کی ہلاکت کا یہ چوتھا بڑا واقعہ ہے۔

اس سے قبل اگست میں تربت کے علاقے موسیٰ خیل میں مسلح افراد نے پنجاب اور بلوچستان کے درمیان سفر کرنے والی متعدد گاڑیوں کو روک ان میں سوار 22 افراد کو شناخت کے بعد ہلاک کیا تھا جن میں سے 17 کا تعلق پنجاب سے تھا۔

رواں سال ہی مئی کے مہینے میں ضلع گوادر کے علاقے سربندن میں حجام کی دکان پر فائرنگ کے واقعے میں پنجاب سے تعلق رکھنے والے سات جبکہ اکتوبر 2023 میں گوادر سے متصل ضلع کیچ کے ہیڈکوارٹر تربت میں چھ مزدور ہلاک ہوئے تھے۔

پنجگور میں ہلاک ہونے والے محمد شفیق کے بھائی محمد حنیف نے فون پر بی بی سی کو بتایا کہ وہ چار بھائی ہیں اور شفیق ان میں تیسرے نمبر پر تھا۔ ’بھائی کی دو ماہ بعد شادی ہونی تھی اور وہ یہاں سے اتنی دور اس لیے گئے تھے تاکہ محنت مزدوری کر کے شادی کے لیے کچھ پیسے جمع کر سکیں۔‘ انھوں نے بتایا کہ ’بھائی سے ایک ہفتے پہلے میری فون پر بات ہوئی تھی اور انھوں نے مجھ سے یہ پوچھا تھا کہ شادی کی تاریخ طے ہوئی ہے یا نہیں ہوئی جس پر میں نے انھیں بتایا تھا کہ دو مہینے بعد آپ کی شادی ہوگی۔‘ ان کا کہنا تھا کہ ’ہم گھر والے اور خاندان کے دیگر افراد بھائی کی شادی کی تیاریوں میں مصروف تھے کہ کل رات ہمیں ان کی موت کی خبر مل گئی۔ جس گھر میں خوشیوں کی تیاریاں ہو رہی ہوں اور وہاں اس شخص کی موت کی خبر آجائے جو کہ خوشی کا مرکز ہو تو وہاں آپ خود اندازہ لگا سکتے ہیں کہ سوگ اور غم کا کیا عالم ہوگا لیکن ہم غم کے سوا اور کیا کر سکتے ہیں کیونکہ ہمارا بھائی تو واپس نہیں آسکتا۔‘ مقتولین کے رشتہ دار مراد اسلم نے بی بی سی کو بتایا کہ مرنے والوں کا تعلق شجاع آباد کے قریب واقع دو دیہات راجہ پور کیگاون اور چڈیڑ موڑ سے تھا اور محمد شفیق کے علاوہ چار دیگر مقتولین کی بھی آنے والے مہینوں میں شادیاں طے تھیں۔

مراد اسلم کے مطابق ’محمد ساجد پہلے ہی سے بلوچستان میں محنت مزدوری کرتا تھا۔ اس کا بڑا بھائی وہاں کا ٹھیکیدار تھا جبکہ محمد فیاض محمد ساجد کا بہنوئی بھی تھا اور وہ اسے پہلے ہی وہاں لے گیا تھا۔‘

انھوں نے بتایا کہ ’خالد، سلمان، افتخار، شفیق اور رمضان شجاع آباد میں ہی مقامی طور پر محنت مزدوری کرتے تھے۔ عید پر محمد ساجد آیا تو ان پانچوں کے والدین نے اس سے کہا کہ اب ان کی شادیاں قریب ہیں اور اس پر اخراجات بھی آنے ہیں تو وہ ان سب کو اپنے ساتھ بلوچستان لے جائے جہاں پر اچھی مزدوری مل جاتی ہے۔‘

’یہ لوگ عید کے بعد چلے گئے تھے اور وہاں اپنی شادیوں کے لیے رقم جمع کر رہے تھے۔ چونکہ ان کے رشتے بھی خاندان میں ہی ہوئے تھے تو دونوں گاؤں میں یہ بات چل رہی تھی کہ جب یہ لوگ آئیں گے تو گاؤں میں ایک کے بعد ایک شادی ہوگی اور جشن کا سماں ہوگا۔‘ مراد اسلم کا کہنا تھا کہ ان کے علاقے میں ’عموماً شادیاں نومبر میں موسم میں بہتری کے بعد ہوتی ہیں اور یہ سلسلہ مارچ تک جاری رہتا ہے۔‘ انھوں نے دعویٰ کیا کہ مقتولین نے صرف شادیوں کے اخراجات کی وجہ سے بلوچستان کا رخ کیا تھا اور شادی کے بعد ان کا بلوچستان واپس جانے کا ارادہ نہیں تھا۔

’وہ پانچوں یہ ہی کہتے تھے کہ شادی کے بعد کوشش کریں گے کہ ملتان میں کوئی کام مل جائے تو زیادہ اچھا ہوگا مگر سارے پروگرام دھرے کے دھرے رہ گئے۔‘

قتولین کے ایک اور رشتہ دار ساجد علی شجاع آباد ہی میں راج مستری کا کام کرتے ہیں اور مارے جانے والوں میں شامل محمد رمضان کے بہنوئی بھی ہیں۔ ساجد علی کا کہنا تھا کہ جس رات وقوعہ ہوا اس رات ان سب لوگوں نے اپنے اپنے گھروں میں بات کی تھی۔

ان کے مطابق ’محمد رمضان نے بھی اپنی بہن سے لمبی چوڑی بات کی۔ بہن نے اسے بتایا تھا کہ اس کی شادی کی کیا تیاریاں ہو رہی ہیں اور ممکن ہو سکے تو تیاریوں کے لیے کچھ رقم بھیج دے۔ محمد رمضان نے اپنی بہن کو تسلی دی تھی کہ ٹھیکیدار جلد ہی پیسے دے گا تو وہ رقم بھجوا دے گا۔‘ بلوچستان کے وزیراعلیٰ سرفراز بگٹی نے پنجگور میں پنجاب سے تعلق رکھنے والے مزدورں کے قتل کی مذمت کی ہے۔

انھوں نے ایک بیان میں کہا کہ بلوچستان میں ایک بار پھر ’دہشت گردوں نے غریب پاکستانی مزدوروں پر وار کیا اور بیگناہوں کا لہو گرانے والے بزدل اور انسانیت سے بے بہرہ ہیں۔‘

وزیراعلیٰ کا کہنا تھا کہ ’دہشت گرد کب تک بلوں میں چھپ سکیں گے۔ ہم چن چن کر ان سے بیگناہ پاکستانیوں کے قتل کا حساب لیں گے۔‘

جاگیردارانہ تسلط اور مزدوروں، کسانوں کی صورتحال

آصف البشر خان

اکیسویں صدی میں جہاں دنیا ترقی کی پے در پے منازل طے کرتی ہوئی آگے بڑھ رہی ہے وہیں ہم آج بھی جاگیردارانہ سوچ کے زیر تسلط نظام کے طابع زندگی گزارنے پر مجبور ہیں۔ بین الاقوامین معیارات کا جائزہ لینے کے بعد ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ ہم ابھی تک اس تسلط کے جال میں پھنسے ہوئے ہیں۔ اس بات کا اندازہ سندھ کے معاشی، سماجی، معاشرتی اور سیاسی نظام کے اثرات سے واضح طور پر لگایا جاسکتا ہے۔ صرف سندھ ہی نہیں بلکہ ملک کے کونے کونے میں خان، سردار، چودھری اور وڈیروں کے زیر اثر نظام زندگی قانون کی بالادستی کو منہ چڑاتا نظر آتا ہے۔ سندھ میں کام کرنے والی کسانوں کی نمائندہ تنظیم ہاری ویلفیئر ایسوسی ایشن نیکسانوں اور مزدوروں کی صورتحال پر ایک جامع رپورٹ جاری کی ہے جس میں ان کا واضح موقف ہے کہ اسمبلیوں میں کسانوں مزدوروں کی نمائندگی کے طور پر جاگیردار اور وڈیرے، خان، سردار اور ان کی اولادیں ایوانوں میں فیصلے کرتے ہیں جس کی وجہ سے آج بھی مزدور کسان کی زندگی بد سے بدترین بنی ہوئی ہے۔ کراچی پریس کلب میں ہاری ویلفیئر ایسوسی ایشن کی جانب سے رپورٹ کے اجراء کی تقریب منعقد کی گئی جس میں نیشنل ہیومن رائٹس کمیشن کی رکن انیس ہارون، سندھ ہیومن رائٹس کمیشن کے چیئر پرسن اقبال ڈیتھو، ہاری ویلفیئر ایسوی ایشن کے صدر اکرم خاصخیلی، مہناز رحمٰن، پیپلز لیبر بیورو کے صدر حبیب جنیدی، وائس چیئر رسن آ ایچ آر سی قاضی خضر حبیب، ۔ پروفیسر ڈاکٹر ریاض شیخ، سینئر صحافی سہیل سانگی، اسحاق سومرو، فدا بلوچ اور دیگر نے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ سندھ میں جاگیردارانہ نظام پہلے سے زیادہ مضبوط ہوچکا ہے جسکی وجہ سے سندھ کے کسانوں اور مزدوروں کی حالت مزید بدتر ہوتی جارہی ہے۔ ملک میں موجودہ معاشی بحران اور مہنگائی میں اضافے کے باعث سب سے زیادہ متاثر سندھ کے کسان اور مزدور ہورہے ہیں۔ سندھ میں کسانوں کے حقوق سے متعلق بنائے گئے قوانین پر عملدارآمد نہ ہونے کی وجہ اسمبلیوں میں جاگیرداروں کی موجودگی ہے۔ اس وقت سندھ میں زرعی پانی کی شدید قلت ہے جسکی وجہ سے سندھ کی فصلیں تباہ ہورہی ہیں۔ رپورٹ کے مطابق سندھ میں جبری مشقت کا شکار کسان اور مزدوروں کی صورتحال انتہائی خراب ہے۔ سال 2023 میں 981 کسانوں اور مزدورروں کو جاگیرداروں اور ان کے مالکان کی نجی جیلوں سے عدالتی حکم پر آزاد کرایا گیا جن میں 314 بچے اور 332 عورتیں شامل ہیں۔ سندھ میں جبری مشقت کے خاتمے کیلیے بنائے گئے قانون سندھ بانڈڈ لیبر سسٹم ایبولیشن ایکٹ 2015 پر عملدرآمد نہیں ہوسکا۔ اس قانون کے تحت سندھ کے ہر ضلع میں ڈسٹرکٹ ویجیلینس کمیٹیوں کی تشکیل بھی تاحال ممکن نہیں ہوسکی۔ رپورٹ کے مطابق سال 2013 سے 2023 میں سندھ میں 12 ہزار 1 سو 16 کسانوں اور مزدوروں کو عدالتی احکامات پر نجی جیلوں سے آزاد کرایا گیا۔ کسانوں کے حقوق سے متعلق قانون سندھ ٹیننسی ایکٹ 1950 پر بھی ابھی تک عملدرآمد نہیں ہوسکا جس کی وجہ سے لاکھوں کسان اور مزدور اپنے بنیادی حق سے محروم ہیں۔ جاگیردار اور وڈیرے تسلسل کیساتھ ان کا استحصال کررہے ہیں۔ رپورٹ کے مطابق کسانوں کے بچے آج بھی تعلیم سے محروم ہیں۔ صحت وزندگی کی سہولیات انہیں آج بھی میسر نہیں ہیں۔ سندھ کے کسانوں اور بھٹہ مزدوروں کو سوشل سیکیورٹی کی سہولت دستیاب نہیں جبکہ سندھ حکومت کی جانب سے کسانوں اور مزدوروں کی مقرر کردہ اجرت 25 ہزار ادا نہیں ہوتی۔ آج بھی وہ 6 سے 8 ہزار روپے ماہانہ اجرت پر کام کرنے پر مجبور ہیں۔ سندھ انڈسٹریل ریلیشنز ایکٹ 2014 کے تحت زرعی مزدوروں کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنی یونین بنا سکیں لیکن لیبر ڈیپارٹمنٹ کے مشکل ترین طریقہ کار کی وجہ سے انہیں یونین سازی میں دشواریوں کا سامنا کرنا پڑرہا ہے۔ سندھ میں لاکھوں کسانوں، مزدوروں کے پاس اپنی زمین اور گھر نہیں ہیں جس کی وجہ سے وہ جاگیرداروں اور وڈیروں کے مظالم اور ناانصافیوں کو جھیلنے پر مجبور ہیں۔ یہ بات بھی رپورٹ میں واضح ہے کہ سندھ کا کسان مزدور اپنی مرضی سے ووٹ دینے کا بھی حق نہیں رکھتا۔ یہی وجہ ہے کہ سندھ کی یونین کونسل سے لیکر پارلیمنٹ تک مزدوروں، کسانوں کی کوئی نمائندگی نہیں اور ان کے حقوق کیلیے قانون سازی نہیں ہوپا رہی ہے اور نہ ہی بنائے گئے قوانین پر عملدرآمد ممکن ہو پارہا ہے۔

اس موقع پر مقررین نے مطالبہ کیا کہ سندھ ہائی کورٹ سرکٹ بینچ حیدرآباد کے کسانوں کے حقوق کے تاریخ ساز فیصلے کو سندھ حکومت کی جانب سے سپریم کورٹ میں چیلنج کرنے کا فیصلہ واپس لیا جائے۔ سندھ میں کسانوں ومزدوروں کی رجسٹریشن کو یقینی بنایا جائے، سندھ بانڈڈ لیبر ایبولیشن ایکٹ پر عملدرآمد کرایا جائے اور سندھ میں جبری مشقت کے خاتمہ کیا جائے۔ سندھ حکومت کیجانب سے مقرر کردہ اجرت 25 ہزار پر عمل درآمد یقینی بنایا جائے، کسانوں ومزدوروں کی یونین سازی کے طریقہ کار کو آسان بنایا جائے اور انہیں صحت وتعلیم اور روزگار کے حقوق مہیا کیے جائیں۔

جہدحق پڑھنے والے توجہ کریں

- آپ نے اس شمارہ کا مطالعہ کیا۔ جوخامیاں / کمزوریاں آپ کو نظر آئی ہوں۔ ان کی نشاندہی خط کے ذریعے سے کیجئے۔
- آپ بھی اپنے علاقے میں ہونے والی انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کی رپورٹ / اطلاع ہمیں اس رسالہ میں چھپنے والا رپورٹ فارم پُر کرکے بذریعہ ڈاک روانہ کرسکتے ہیں۔ حقائق اچھی طرح سے تصدیق کرکے لکھیں۔

HRCP کارکن متوجہ ہوں

''جہدحق'' کے لیے رپورٹ فارم کے مطابق کوائف پر مبنی رپورٹیں، خبریں، تصاویر یا انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں سے متعلق دیگر مواد مہینے کے تیسرے ہفتے تک پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کے مرکزی دفتر میں پہنچ جانا چاہیے تاکہ یہ اگلے شمارے میں شائع کیا جاسکے۔

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق

''ایوان جمہور'' 107 - ٹیپو بلاک،

نیو گارڈن ٹاؤن، لاہور

جہدحق کا تازہ شمارہ اور پچھلے شمارے

ویب سائٹ پر موجود ہیں۔ پتہ:

www.hrcp-web.org

فائرنگ سے ایک شخص قتل، ایک زخمی

اوکاڑہ بصیر پور سے دیپال پور کچہری جاتے ہوئے ایڈووکیٹ ملک محمود احمد کی گاڑی پر مخالفین غلام مرتضی عرف ہیرو اور آصف وکی وغیرہ نے فائرنگ کر کے ملک محمود اور فیصل کو شدید زخمی کر دیا۔ دونوں زخمیوں کو اسپتال منتقل کیا گیا مگر ایڈووکیٹ ملک محمود زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے چل بسے جبکہ فیصل کا علاج معالجہ جاری ہے۔ تھانہ بصیر پور پولیس نے موقع پر پہنچ کر تحقیقات کا آغاز کر دیا۔ لاش کو پوسٹمارٹم کیلئے ٹی ایچ کیو اسپتال دیپال پور منتقل کر دیا گیا۔ ایک مقامی شہری ظفر نے بتایا کہ مقتول اور ملزمان کے درمیان مقدمہ بازی کی رنجش چل رہی تھی۔ بصیر پور پولیس نے مقدمہ درج کر لیا ہے دیپالپور بار نے ملک محمود احمد ایڈووکیٹ کے قتل پر دو دن سوگ اور ہڑتال کا اعلان کیا ہے۔

(اصغر حسین حماد)

چمن بارڈر کی بندش سے کاروبار زندگی معطل

چمن چمن پاک افغان سرحد باب دوستی کی بندش کے خلاف احتجاجی دھرنا پاک افغان شاہراہ پر گزشتہ 11 ماہ سے بدستور جاری ہے اس دھرنے میں مختلف سیاسی اور سماجی جماعتیں اور تاجر انجمنیں شامل ہیں جن میں پشتونخوا ملی عوامی پارٹی، عوامی نیشنل پارٹی، پشتون تحفظ موومنٹ، نیشنل ڈیموکریٹک موومنٹ، انجمن تاجران اور لغڑی اتحاد پیش پیش ہیں۔ احتجاجی مظاہرین کا مطالبہ ہے کہ حکومت پاک افغان سرحد پر پاسپورٹ کے نفاذ کا فیصلہ فوری واپس لے۔ ان کا کہنا ہے کہ جب تک یہ فیصلہ واپس نہیں لیا جاتا، دھرنا جاری رہے گا۔ دھرنے کے شرکاء کا کہنا ہے کہ اس فیصلے سے سرحدی علاقوں کے مکینوں کو شدید مشکلات کا سامنا ہے کیونکہ ان کا روزمرہ کا کاروبار اور تعلقات سرحد پار لوگوں سے وابستہ ہیں۔ تاجروں کا کہنا ہے کہ اس فیصلے سے کاروباری سرگرمیاں مفلوج ہو کر رہ گئی ہیں اور ہزاروں افراد بے روزگار ہو چکے ہیں۔ علاقے میں بے روزگاری کی شرح میں اضافہ کی وجہ سے علاقے میں بدامنی، چوری اور ڈکیتی کی وارداتوں میں تشویشناک حد تک اضافہ ہوا ہے، اس کے علاوہ مشتعل مظاہرین اور ایف سی کے درمیان کئی بار جھڑ پیں بھی ہوئیں جسمیں 3 افراد شہید اور 150 سے زائد زخمی ہوئے۔ مظاہرین نے حکومت سے فوری طور پر سرحدی پالیسی میں نرمی کا مطالبہ کیا ہے تاکہ سرحدی علاقوں کے عوام کی مشکلات کا ازالہ ہو اور تجارتی سرگرمیاں بحال ہو سکیں۔ تاہم حکومت کی جانب سے سے ابھی تک کوئی واضح جواب سامنے نہیں آیا۔ دھرنے کے منتظمین کا کہنا ہے کہ وہ اپنے مطالبات کی منظوری تک احتجاج جاری رکھیں گے اور اپنے موقف سے کسی صورت پیچھے نہیں ہٹیں گے۔

(محمد صدیق)

شاہراہ اور انتظارگاہ کی جلد از جلد تعمیر کا مطالبہ

نوشکی دو سال قبل نوشکی میں طوفانی بارشوں اور حصار رندی میں سیلابی ریلے سے کلی میر شریف خان بادینی اور کلی صاحبزادہ کی سڑک کے مختلف حصے سیلابی ریلے میں بہہ گئے تھے۔ تین کلومیٹر سڑک استعمال کے قابل نہیں ہے جس کی وجہ سے کلی سردار بادینی، کلی صاحبزادہ اور کلی میر شریف خان بادینی کے ہزاروں باشندوں کو انتہائی مشکلات اور وقت کے ضیاع کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ سڑک کی زبوں حالی کی وجہ سے حادثات کی شرح میں بھی اضافہ ہو رہا ہے۔ ایمرجنسی صورت میں مریضوں کو علاج معالجہ کے لیے چار کلومیٹر دور نوشکی ٹیچنگ ہسپتال لانے کے لیے پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ کلی شریف خان بادینی اور صاحبزادہ کراس پر انتظار گاہ سیلابی ریلے کی وجہ سے بری طرح متاثر ہوا ہے جس کی وجہ سے کسی وقت بھی کوئی سانحہ رونما ہو سکتا ہے۔ متاثر حلقوں کے باشندوں نے صوبائی حکومت اور منتخب عوامی نمائندوں کی توجہ سڑک اور انتظار گاہ کی زبوں حالی کی جانب مبذول کراتے ہوئے مطالبہ کیا ہے کہ عوام کی مشکلات اور وقت کے ضیاع کو مدنظر رکھتے ہوئے ہنگامی بنیادوں پر سڑک اور انتظار گاہ کی تعمیر عمل میں لانے کے لیے اقدامات کیے جائیں۔

(محمد سعید)

باپ بیٹا بے دردی سے قتل

نوشہروفیروز تھاروشاہ لنک روڈ سومرپیر کے مقام پر گھات لگائے مسلح افراد نے موٹر سائیکل سوار باپ بیٹا کو فائرنگ کر کے قتل کر دیا۔ واقع کی اطلاع پر پولیس نے پہنچ کر دونوں لاشوں کو اسپتال منتقل کر دیا۔ پولیس کی ابتدائی معلومات کے مطابق مقتولین کی شناخت منور علی اور مانک کلھوڑو کے نام سے ہوئی ہے۔ پولیس ذرائع کے مطابق واقع پرانی دشمنی کی بناہ پر رونما ہوا ہے۔ مقتولین کنڈیارو کے کچے کے علاقے سے تعلق رکھتے ہیں۔ واقع کی تفتیش شروع کر دی گئی ہے اور ملزمان کی تلاش میں علاقہ کی ناکہ بندی کر دی گئی ہے۔

(الطاف حسین قاسمی)

ملازمین کا تنخواہوں کی ادائیگی کا مطالبہ

خیبر لنڈی کوتل محکمہ جنگلات کی جانب سے چار سال قبل بھرتی کیے گئے چوکیداروں کی تنخواہ گزشتہ اٹھارہ مہینوں سے ادا نہیں کی گئی۔ 22 ستمبر کو لنڈی کوتل پریس کلب میں صحافیوں سے بات چیت کرتے ہوئے عمر حیات، جہانگیر خان، گل وزیر اور فضل نے کہا کہ تحصیل لنڈی کوتل ایریا میں محکمہ جنگلات کی جانب سے 42 ملازمین بھرتی کیے گئے تھے جو ابھی تک اپنی ڈیوٹی سرانجام دے رہے ہیں لیکن محکمے کی جانب سے اٹھارہ ماہ سے ان غریب ملازمین کی تنخواہیں ادا نہیں کی گئیں۔ انہوں نے کہا کہ ڈپٹی کمشنر خیبر اور محکمہ جنگلات کے حکام سے اپیل کی ہے کہ ان کی تنخواہیں جاری کی جائیں ورنہ وہ احتجاج کرنے پر مجبور ہوں گے۔

(مسعود شاہ)

چمن بارڈر کی بندش سے بچوں کی تعلیم پر منفی اثرات

چمن چمن پاک افغان بارڈر پر نئی ٹریولنگ پالیسی کے نفاذ سے نومبر 2023 سے لیکر اب تک 6000 سے زائد بچوں نے تعلیمی سلسلہ ترک کر دیا ہے۔ اب یہ بچے یا تو سٹریٹ چلڈرن بن گئے یا محنت مزدوری کی خاطر والدین نے انہیں اندرون ملک بڑے شہروں میں بھیج دیا ہے۔ ان بچوں کے والدین کا روزگار چمن بارڈر سے جڑا ہوا تھا تاہم ون ڈاکومنٹ پالیسی کے نفاذ سے چمن شہر کے ہزاروں محنت کش اور چھوٹے تاجر بے روزگار ہو چکے ہیں۔ دنیا کے دیگر ممالک میں جب بھی کوئی پالیسی بنتی ہیں تو سب سے پہلے وہ اس بات کو مدنظر رکھتے ہیں کہ مذکورہ پالیسی کے نفاذ سے مقامی لوگوں کے زندگیوں پر کیا اثرات پڑ سکتے ہیں اور جب کوئی برا اثر پڑتا ہے تو ہنگامی بنیادوں پر اس کے حل کے لیے کوئی راہ تلاش کرتے ہیں لیکن مملکت خداداد میں پہلے پالیسی بعد میں راہ تلاش کرنا جو کہ ناممکنات میں سے ہیں۔ ملک میں شرح خواندگی کے لحاظ سے بلوچستان چوتھے نمبر پر ہیں اور حال ہی میں ایک سروے رپورٹ بھی شائع ہوا کہ صوبہ بھر میں لاکھوں بچے اور بچیاں سکول سے باہر ہیں جس کی بڑی وجہ والدین کو درپیش معاشی مشکلات ہیں زیر تعلیم بچے اور بچیوں کا تعلیم چھوڑنا صوبہ خاص کر ہمارے شہر چمن کے لیے تشویشناک صورتحال ہے۔

(محمد صدیق)

عورتیں

ماں بیٹی کا قتل

میانوالی تفصیلات کے مطابق محلّہ حیات آباد عیسٰی خیل ضلع میانوالی میں گھر میں سوئی ہوئی ماں بیٹی کو رات کے اندھیرے میں گولیاں مار کر قتل کر دیا گیا۔ ملزم موقع سے فرار۔ پولیس نے وقوعہ والے گھر پہنچ کر لاشیں اپنے قبضے میں لے کر پوسٹ مارٹم کے لئے ہسپتال منتقل کر دیں۔ بعدازاں، تفتیش کے دوران ملزم ثنائاللہ اور اس کے بھائی اعجاز کو گرفتار کرلیا گیا۔ مقدمہ درج ہو گیا تھا۔ واقعہ 13 ستمبر کو پیش آیا۔

(محمد رفیق)

عدالتی حکم پر دو عورتیں بچوں سمیت بازیاب

میانوالی 4 ستمبر کو سیشن کورٹ عمر کوٹ کے حکم پر کنری پولیس نے ٹوبھاں شاخ کے قریب بھگت گوٹھ میں چھاپہ مار کر دو شادی شدہ بہنوں ہر ایک دیئا زوجہ پارو کولہی اور گینی زوجہ دیرو کولہی کو ان کے 7 بچوں سمیت شوہروں کے گھر سے بازیاب کرالیا۔ دونوں بہنوں نے مذکورہ عدالت سے رجوع کیا تھا۔ دونوں شادی شدہ بہنوں نے الزام لگاتے ہوئے کہا کہ "ہمارے شوہر ہم پر مار پیٹ کرتے تھے۔ جس سے تنگ آ کر عدالت سے رجوع کیا۔ ہم اپنے شوہروں سے تنگ ہیں، اگر شوہر بااخلاق طریقے سے رکھیں گے تو شوہروں کے ساتھ جائیں گی۔ بصورت دیگر دوسری صورت میں والدین کے گھر جائیں گی۔ متاثرہ عورتوں کے مطابق، ان کے شوہران سے اچھا سلوک نہیں کرتے تھے اور انہیں حبس بے جا میں رکھا ہوا تھا۔ ان پر مختلف قسم کا ذہنی وجسمانی تشدد کیا جاتا تھا۔ دونوں عورتوں نے عدالت سے تحفظ کا مطالبہ کیا ہے۔ (نامہ نگار)

چھوٹے بھائی کی جان لے لی

میانوالی میانوالی شہر کے نواحی علاقہ واں ڈھا گورنگی والا سوہان والا پل میں گھریلو واراضی کے تنازعہ پر بھائی نے چھوٹے بھائی کو فائر مار کر شدید زخمی کر دیا جس کو فوری طور پر ہسپتال منتقل کیا گیا جہاں وہ زخموں کی تاب نہ لا کر دم توڑ گیا۔ پولیس کی انوسٹی گیشن ٹیم نے جائے وقوعہ سے شواہدا کھٹے کئے اور مقدمہ درج کر لیا تھا۔ واقعہ 18 ستمبر کو پیش آیا۔

(محمد رفیق)

دو بہنوں کو بجلی کا کرنٹ لگا کر قتل کر دیا

نواب شاہ 19 ستمبر 2024 کی صبح نوابشاہ کے علاقے تھانہ بی سیکشن پولیس کی حدود میں واقع مہاجر کالونی میں بھائی نے مبینہ طور پر اپنی دو بہنوں کو بدکرداری کے الزام میں بجلی کا کرنٹ چھوڑ کر ہلاک کر دیا اور خود کو پولیس کے حوالے کر دیا۔ دوہرے قتل کی اطلاع ملتے ہی پولیس کی بھاری نفری جائے واردات پر پہنچ گئی۔ پولیس نے دونوں بہنوں رضیہ اور مسمات علیشبہ کی لاشیں تحویل میں لے کر اسپتال منتقل کیا جہاں پوسٹ مارٹم اور دیگر قانونی تقاضے مکمل کئے جانے کے بعد لاشیں ورثاء کے سپرد کر دیں۔ ڈی ایس پی غلام مرتضٰی کے مطابق فی الوقت معاملہ 'غیرت' کے نام پر قتل کا معلوم ہوتا ہے مگر بہت سارے شکوک وشبہات موجود ہیں۔ واردات سے متعلق تحقیقات کے بعد ہی اصل حقائق سامنے آئیں گے۔ طریقہ واردات کے مطابق یہ کام فرد واحد کا نہیں لگتا۔ گھر میں دیگر افراد کی موجودگی دہرے قتل میں سہولت کاری کا عندیہ دیتی ہے۔ ابتدائی معلومات کے مطابق ملزم کامران عرف کامی نے مؤقف اختیار کیا کہ وہ اپنی بہنوں کو بے حیائی سے روکتا اور سمجھاتا رہا مگر وہ باز نہ آئیں تو مجبوراً انہیں قتل کر دیا۔ مقتولین کی والدہ کا کہنا ہے کہ وقوعہ کے وقت ہم نے " کامی کو روکنے کی بہت کوشش کی مگر اس نے ہمیں دھمکی دی کہ وہ ہمیں بھی انکے ساتھ قتل کر دے گا اور پھر اس نے مجھے اور میری بہو کو کمرے میں بند کر کے دونوں بہنوں کو جان سے مار کر معلوم نہیں کہاں چلا گیا ہے۔" مقتولین کے بڑے بھائی عمران نے بتایا کہ وہ گزشتہ رات گھر میں نہیں تھا۔ صبح سویرے اسے فون پر اطلاع ملی کہ اس کے گھر میں قیامت ٹوٹ پڑی ہے۔ اس نے تصدیق کی کہ ملزم کامی نشے کا عادی ہے۔ ابھی اس کیس کی تفتیش کا آغاز ہوا ہی ہے کہ مقتولہ لڑکیوں کی والدہ م حسینہ زوجہ عبدالعزیز میر عالم نے تدفین سے قبل ہی مقامی ہوٹل میں جا کر سوشل میڈیا کے ذریعے حکمرانوں اعلیٰ افسران عدلیہ اور دیگر اداروں کو پیغام دیا ہے کہ اسکی دونوں بیٹیوں کا چال چلن بہت خراب تھا جس پر اسکے بیٹے کامران عرف کامی نے انکا قتل کیا ہے اور وہ دہرے قتل کا مقدمہ درج نہیں کروائے گی۔ لڑکیوں کی والدہ حسینہ نے کہا کہ "اس کے بیٹے نے جو کیا درست کیا میں اپنی دونوں بیٹیوں کا خون معاف کرتی ہوں اور اپیل کرتی ہوں کہ میرے بیٹے کامران عرف کامی کو فوری رہا کیا جائے۔" دوہرے قتل کے واقعہ اور ماں کے جاری کردہ ویڈیو بیان پر حکومت سندھ نے اپنا شدید ردعمل ظاہر کرتے ہوئے واقعہ کا نوٹس لیا اور ملزم کامران کے خلاف سرکار کی مدعیت میں مقدمہ درج کرنے کے احکامات صادر کیے گئے۔ صوبائی وزیر داخلہ ضیاء الحسن لنجار اور صوبائی وزیر وویمن ڈویلپمنٹ ڈیپارٹمنٹ سندھ شاہینہ شیر علی نے کی ہدایات پر تھانہ بی سیکشن پولیس نے سگے بھائی کے ہاتھوں ماری جانے والی دو بہنوں کے قتل کا مقدمہ درج کر لیا ہے۔ بتایا گیا ہے کہ مقتولین پیشہ کے اعتبار سے گھریلو درزی تھیں اور اپنے گھر کے اخراجات کو چلانے میں معاون ومددگار تھیں جبکہ ملزم کامران نشے کا عادی ہے۔

(آصف البشر خان)

مبینہ جنسی تشدد کا نشانہ بننے والی عورت کاری قرار

جیکب آباد جیکب آباد میں ریپ کا نشانہ بننے والی لیڈی ورکر کو شوہر نے کاری قرار دے کر گھر سے نکال دیا۔ سندھ کے شمالی ضلع جیکب آباد میں انسداد پولیو مہم کے دوران مبینہ ریپ کی شکار خاتون پولیو ورکر کو شوہر نے کاری قرار دے کر گھر سے نکال دیا۔ لیڈی ہیلتھ ورکر کے ساتھ چند دن قبل ریپ کا واقعہ پیش آیا تھا۔ خاتون کو 13 ستمبر کو عدالت میں پیش کیا گیا تھا، جہاں اس نے بتایا کہ اسے جنسی تشدد کا نشانہ بنایا گیا تھا۔ خاتون کے بیان کے بعد پولیس نے مرکزی ملزم کو گرفتار کر کے عدالت سے ایک ہفتے کا ریمانڈ بھی لیا تھا۔ بعدازاں خاتون نے برادری، شوہر اور قبایلی روایات کے پیش نظر بیان بدل دیا تھا۔ خاتون نے بعدازاں خود سے زیادتی کی تردید کرتے ہوئے کہا تھا کہمیرے ساتھ کوئی زیادتی نہیں ہوئی، ہم قطرے پلا کر واپس آ رہے تھے کہ ایک گھر میں آدمی نے سر پر پستول رکھ دی، مجھ سے موبائل اور پیسے مانگے جو میں نے دے دیے۔ خاتون پولیو ورکر کا کہنا تھا کہ میرے دل کی دھڑکن تیز اور طبیعت خراب ہوگئی، ساتھی ورکر مجھے اسپتال لے آیا، جس آدمی نے فون اور پیسے چھینے اسے پہچان سکتی ہوں۔ اور اب شوہر نے انہیں کاری قرار دے کر گھر سے نکال دیا۔ ڈپٹی انسپکٹر جنرل (ڈی آئی جی) سکھر پیر محمد شاہ کے مطابق خاتون کو شوہر نے سیاہ کاری کا الزام لگا کر گھر سے نکال دیا ہے۔ خاتون نے اپنے سسرال اور شوہر کی جانب سے جان کا خطرہ ظاہر کیا ہے۔ ڈی آئی جی کے مطابق خاتون کو اپنے شوہر اور سسرال سے تحفظ کے لیے عدالت میں پیش کیا جائیگا۔ عدالت میں خاتون نے اپنے ساتھ ہونے والی زیادتی کی تصدیق کی تھی اور ملزم بھی گرفتار ہے جب کہ پولیس مزید تفتیش کر رہی ہے۔

(محمد صدیق)

تعلیم

کالج میں سہولیات کی فراہمی کا مطالبہ

نوشکی گورنمنٹ گرلز ڈگری کالج انام بوستان مینگل قادر آباد روڈ پر واقع ہے۔ یہ ڈسٹرکٹ نوشکی میں خواتین کا سب سے بڑا تعلیمی ادارہ ہے۔ ڈگری گرلز کالج میں 1800 سو سے زائد طالبات تعلیم حاصل کر رہی ہیں۔ گرلز ڈگری کالج کے طالبات 21 صدی میں ایک طرف اساتذہ کی کمی، سپورٹس کے میدان اور دیگر سہولیات کے عدم فراہمی کے باعث مشکلات اور دشواریوں سے دوچار ہیں تو دوسری جانب گرلز کالج کو دیہی فیڈر سے بجلی دی جاتی ہے جس کے باعث کالج کی بجلی طویل لوڈشیڈنگ کی وجہ سے زیادہ تر بند رہتی ہے۔ گورنمنٹ گرلز ڈگری کالج نوشکی کے طالبات نے حلقہ کے ایم این اے انجنیئر حاجی میر عثمان بادینی، ایم پی اے حاجی میر غلام دستگیر بادینی چیئرمین ڈسٹرکٹ کونسل میر محمد علی خان مینگل کمشنر رخشان ڈویژن شاہ عرفان غرشین ڈپٹی کمشنر امجد حسین سومرو اور ایکسین کیسکو کی توجہ اس مسئلہ کی جانب مبذول کراتے ہوئے مطالبہ کیا ہے گرلز ڈگری کالج میں زیر تعلیم ہزاروں طالبات کے مستقبل کو مدنظر رکھتے ہوئے گرلز ڈگری کالج کو سٹی فیڈر سے بجلی کی فراہمی کے لیے ترجیحی بنیادوں پر اقدامات کیے جائیں۔

(محمد سعید)

طلبہ کو مشکلات کا سامنا

چمن بلوچستان بورڈ آف انٹرمیڈیٹ اینڈ سیکنڈری ایجوکیشن کوئٹہ آفس میں اہلکاروں کی من مانی کی وجہ سے گورنمنٹ ہائیر سیکنڈری سکول قلعہ عبداللہ کے طلباء کا سال ضائع ہونے کا خدشہ ہے۔ بورڈ آفس نے فرسٹ ایئر کے طلبہ کو سابقہ بقایاجات کی بنا پر میٹرک پاس ڈی ایم سیز روک دی ہیں۔ طلبہ اور والدین نے حکام سے مطالبہ کیا ہے کہ وہ نوٹس لیں اور بورڈ آفس کے ظلم وستم اور ناجائز پالیسی سے نجات دلائیں۔ منصور احمد اچکزئی نے بتایا کہ گورنمنٹ بوائز ہائیر سیکنڈری سکول قلعہ عبداللہ کے میٹرک پاس طلبہ کا سال ضائع ہونے کا خدشہ پیدا ہوگیا ہے، کیونکہ بلوچستان بورڈ نے ان کے ڈی ایم سیز روک دی ہیں۔ بورڈ کے مطابق، پالیسی کے تحت بقایاجات کی ادائیگی کے بعد ہی ڈی ایم سیز جاری کی جائیں گی۔ دوسری جانب، درجنوں طلبہ جو فرسٹ ایئر میں داخلے کے خواہشمند ہیں، نے کہا کہ بورڈ اپنی اس پالیسی پر نظر ثانی کرے اور طلبہ کا وقت ضائع نہ کرے۔ طلبہ نے اعلیٰ حکام سے پرزور مطالبہ کیا کہ وہ اس صورتحال کا نوٹس لیں اور بورڈ کے اس طلبہ دشمن اقدام کے خلاف کارروائی کریں۔

(محمد صدیق)

تعلیمی نظام تباہی کی جانب گامزن

چمن بلوچستان میں تعلیم کی صورتحال سنگین مسئلہ اختیار کر گیا ہے جس پر حکومت وقت کی جانب سے مسلسل توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ صوبے میں اسکول سے محروم بچوں اور اسکول جانے والے بچوں کی تعداد مختلف رپورٹوں اور سروے کے مطابق کئی اہم پہلوؤں کی عکاسی کرتی ہے۔ اسکول سے محروم بچوں کی تعداد بلوچستان میں بہت زیادہ ہے۔ مختلف مطالعات اور سرکاری اعداد وشمار کے مطابق، صوبے میں تقریباً 25 لاکھ بچے ایسے ہیں جو تعلیم حاصل کرنے سے محروم ہیں۔ یہ تعداد تعلیم تک رسائی میں مشکلات، غربت، سکیورٹی، اور بنیادی سہولتوں کی کمی کو ظاہر کرتی ہے۔ بلوچستان میں تقریباً 15 لاکھ بچے سرکاری تعلیمی اداروں میں زیر تعلیم ہیں۔ ان اسکولوں میں بچوں کو بنیادی تعلیم فراہم کی جاتی ہے، لیکن سہولتوں کی کمی اور اساتذہ کی قلت کی وجہ سے تعلیمی معیار متاثر ہوتا ہے۔ اس تناظر میں جائزہ لیا جائے تو صوبے کا تعلیمی نظام سنگین بحران کا شکار ہے۔ اس زبوں حالی کے اسباب میں اقتصادی، سماجی، انتظامی اور امن وامان کے مسائل شامل ہیں۔ ان مسائل کے حل کے لیے اب تک کوئی سنجیدہ اقدامات نہیں کیے گئے۔ صوبے میں اکثر والدین تعلیمی اخراجات برداشت کرنے کی سکت نہیں رکھتے، جس کی وجہ سے ان کے بچوں کی تعلیم ادھوری رہ جاتی ہے۔ ساتھ ہی تعلیمی اداروں کی کم تعداد اور ان کی ناقص سہولتیں بھی ایک بڑی رکاوٹ ہیں۔ کئی اسکولوں میں بنیادی سہولتوں کا فقدان ہے، جیسے کہ کلاس رومز، کتابیں، حتیٰ کہ پینے کا پانی تک میسر نہیں، جبکہ دیگر ضروریات کا تصور کرنا بھی مشکل ہے۔ اس کے علاوہ صوبے میں سکیورٹی کی مشکلات اور دہشت گردی کے واقعات بھی تعلیمی اداروں کی کارکردگی پر منفی اثرات ڈالتے ہیں۔ کئی اسکول اور کالج سکیورٹی یا دیگر وجوہات کی بنا پر بند یا کم فعال رہتے ہیں۔ تعلیمی عملے کی شدید کمی بھی ایک سنگین مسئلہ ہے۔ بہت سے تعلیمی اداروں میں اساتذہ کی تعداد کم اور بچوں کی تعداد زیادہ ہونے کی وجہ سے تعلیمی معیار متاثر ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر، چمن شہر کے وسط میں قائم گورنمنٹ پرائمری اسکول مدرسہ بحرالعلوم گھوڑا ہسپتال روڈ چمن میں 67 سے زائد بچے داخل ہیں۔ ان بچوں کو ایک ہی استاد پانچوں کلاسز کے تمام مضامین پڑھا رہا ہے۔ یہ صورتحال شہری اسکول کی ہے، دیہی علاقوں میں اسکولوں کے حالات کا اندازہ لگانا مشکل نہیں۔ سینکڑوں اسکول ایسے ہیں جہاں ایک ہی استاد تدریسی فرائض انجام دے رہا ہے، جس سے تعلیمی معیار بہتر ہونے کے بجائے مزید بگڑ رہا ہے۔ دیگر مسائل میں انتظامی خامیاں، تعلیمی پالیسیوں کا عدم نفاذ، کرپشن، نااہلی، اور سیاسی بھرتی شدہ اساتذہ شامل ہیں جو ڈیوٹی انجام نہیں دیتے جس کی وجہ سے تعلیم کے نظام میں بہتری لانا مشکل ہوگیا ہے۔ تعلیم کی عصری تقاضوں سے دوری کی وجہ سے ہمارے تعلیمی اداروں کا معیار پست ہو چکا ہے۔ مزید یہ کہ ہر دور میں نصاب کی کمی، اس کا عدم ترسیل، اور نصاب کا جدید دور سے ہم آہنگ نہ ہونا تعلیمی معیار کو مزید متاثر کر رہا ہے۔ دور دراز علاقوں میں تعلیم تک رسائی ایک بڑا چیلنج ہے۔ کئی بچے اسکولوں کی عدم دستیابی کی وجہ سے تعلیم حاصل نہیں کر پاتے۔ والدین میں تعلیم کی اہمیت کے بارے میں شعور کی کمی بھی ایک بڑا مسئلہ ہے۔ بہت سے والدین اپنے بچوں کی تعلیم کی اہمیت سے آگاہ نہیں۔ ایسے میں ضرورت اس امر کی ہے کہ غربت کے شکار والدین کے لیے مالی امداد اور اسکالرشپس فراہم کی جائیں تاکہ وہ اپنے بچوں کے تعلیمی اخراجات برداشت کر سکیں۔ حکومت کو چاہیے کہ وہ تعلیمی اداروں کی بنیادی سہولتوں کو بہتر بنائے، نئی عمارتیں تعمیر کرے، اور موجودہ اسکولوں کی مرمت کی جائے۔ نئے اسکولوں کا قیام بھی ضروری ہے۔ سکیورٹی کی صورتحال کو بہتر بنانا تعلیمی اداروں کی فعالیت کے لیے لازمی ہے۔ سکیورٹی فورسز کو اسکولوں کی حفاظت کو یقینی بنانا ہوگا اور علاقے میں امن قائم کرنا ہوگا۔ تعلیمی عملے کی کمی کو پورا کرنے اور اساتذہ کی بہتر تربیت کے لیے اقدامات کیے جائیں۔ تعلیمی پالیسیوں کا مؤثر نفاذ، کرپشن کا خاتمہ، اور انتظامی بہتری کے ذریعے تعلیمی نظام میں بہتری لائی جا سکتی ہے۔ والدین اور کمیونٹی میں تعلیم کی اہمیت کے بارے میں آگاہی فراہم کرنا ضروری ہے تاکہ بچے تعلیم حاصل کرنے میں دلچسپی لیں۔ اس وقت صوبے میں تقریباً 75 ہزار اسٹاف موجود ہے، جو 15 لاکھ زیر تعلیم بچوں کے لیے ناکافی ہے۔ اس کمی کی وجہ سے صوبے کا تعلیمی معیار روز بروز خراب ہو رہا ہے۔ صوبے میں مزید 542 اسکولوں کی بندش کے فیصلے نے مزید سوالات کو جنم دیا ہے۔ ان اسکولوں کی بندش کے بعد صوبے میں بند اسکولوں کی تعداد 3694 ہو چکی ہے۔ محکمہ تعلیم کی رپورٹ کے مطابق، بلوچستان میں اسکول بند ہونے کی بنیادی وجہ اساتذہ کی کمی ہے۔ بند اسکولوں کو فعال کرنے کے لیے کم از کم 16 ہزار اساتذہ درکار ہیں۔ صوبے میں تعلیم کی زبوں حالی ایک بڑا چیلنج ہے جس پر حکومت کو فوری توجہ دینے کی ضرورت ہے۔

(محمد صدیق)

اقلیتیں

عقیدے کی بنیاد پر نوکری سے نکال دیا

سمبڑیال ایک نجی کالج نے احمدی ہونے کی بنا پر استاد کو نوکری سے نکال دیا جو گذشتہ ۱۱ سالوں سے وہاں پڑھا رہے تھے۔ چند دن قبل شر پسند طلبہ نے دوران تدریس ان کے خلاف نعرے بازی کی اور انہیں مارنے کی کوشش کی۔ ملازمت سے نکالے گئے ٹیچر گذشتہ 11 سال سے سپیریئر کالج سمبڑیال میں تدریس کے فرائض سرانجام دے رہے تھے۔ 10 ستمبر کو وہ اپنی کلاس میں لیکچر دے رہے تھے کہ مختلف جماعتوں کے طلباء نے جمع ہو کر ان کے اور احمدیوں کے خلاف خلاف نعرہ بازی شروع کردی۔ لیکچر ختم ہونے پر جب وہ باہر نکلے تو یہ لڑکے ان کو مارنے کے لئے ان کے پیچھے بھاگے جس پر موصوف نے دوسرے کیمپس میں جا کر کالج کی انتظامیہ کو تمام صورتحال بتائی۔ اس دوران دوبارہ نعرہ بازی شروع ہوگئی جس پر وہ کالج سے نکل کر اپنے ایک دوست کے پاس آگئے۔ کالج کی انتظامیہ اس موقع پر خاموش تماشائی بنی رہی۔ شام 4 بجے کے قریب انہیں کالج سے فون آیا کہ کالج کے دونوں کیمپس (بوائز اور گرلز) میں آپ کے خلاف احتجاج ہو رہا ہے اور طلباء و طالبات کا مطالبہ ہے کہ چونکہ آپ قادیانی ہیں اس لئے آپ کو فارغ کیا جائے ورنہ ہم سڑکوں پر آجائیں گے۔ گذشتہ ماہ بعض مولویوں نے کالج میں آکر انہیں کالج سے فارغ کرنے کا مطالبہ کیا تھا۔ کسی کو عقائد کی بنا پر ملازمت سے محروم کرنا اور ہراساں کرنا انسانی حقوق کی شدید خلاف ورزی ہے۔ آئین پاکستان کے آرٹیکل 25(1) کے مطابق تمام پاکستانی شہری قانون کی نظر میں برابر ہیں اور قانونی تحفظ کے مساوی حقدار ہیں۔ آئین کے آرٹیکل 27(ا) کے مطابق کسی شہری کے ساتھ جو بہ اعتبار دیگر پاکستان کی ملازمت میں تقرر کا اہل ہو، کسی ایسے تقرر کے سلسلے میں محض نسل، مذہب، ذات، جنس، سکونت، یا مقام پیدائش کی بنا پر امتیاز روا نہیں رکھا جائے گا۔ پاکستان میں مذہبی انتہا پسند عناصر احمدیوں کے خلاف نفرت انگیز مہم میں شدت لاتے جا رہے ہیں اور احمدیوں کو کام کی جگہوں پر ہراساں کیا جا رہا ہے۔ انہیں ملازمتوں سے نکالنے کے واقعات ہو رہے ہیں۔ اس ضمن میں حکومت کو مذہبی انتہا پسندوں کے خلاف فوری اور موثر اقدامات کرنے اور احمدیوں کو تحفظ فراہم کرنے کی ضرورت ہے۔

(عامر محمود)

عبادت گاہ کے مینار توڑ ڈالے

اوکاڑہ 10 ستمبر 2024ء کو پولیس نے غیر قانونی کارروائی کرتے ہوئے ایک احمدی کے ڈیرے واقع سبحان شاہ دیپالپور اوکاڑہ پر تعمیر شدہ احمدی عبادت گاہ کے مینار توڑ دئے، نیز وہاں لکھے ہوئے مقدس کلمات مٹا دئے۔ تفصیلات کے مطابق 10 ستمبر کی شام ڈی ایس پی کی سربراہی میں تھانہ دیپالپور سے پولیس کی دو گاڑیاں ڈیرے پر آئیں جن میں 12 سے 14 پولیس اہلکار تھے۔ انہوں نے ڈیرے کے گردو نواح کو سیل کر کے احمدی عبادت گاہ پر بنے مینار توڑ دئے اور پھر سیمنٹ کی مدد سے مقدس کلمات مٹا دئے۔ یہ احمدی عبادتگاہ 1984 سے پہلے کی تعمیر شدہ ہے۔ واضح رہے کہ لاہور ہائی کورٹ کے معزز جج جسٹس طارق سلیم شیخ نے فوجداری متفرق نمبر 5151/B/2023۔ عمران حمید بنام سرکار کے فیصلہ میں پیرا نمبر 16 میں یہ قرار دیا تھا کہ "میری رائے میں یہ دفعات اس بات کی اجازت نہیں دیتیں کہ آرڈیننس 20 مجریہ 1984 جس کے زریعے یہ دفعات وجود میں آئی تھیں، کے نفاذ سے پہلے کی عمارات بھی منہدم کی جائیں یا ان میں کوئی تبدیلی کی جائے۔" پاکستان خاص طور پر پنجاب میں احمدی عبادت گاہوں کو مذہبی انتہا پسند مسلسل نقصان پہنچا رہے ہیں۔ یہ صورتحال لمحہ فکریہ ہے کیونکہ احمدیوں کے خلاف اس طرح کے غیر قانونی اقدامات سے وطن عزیز کا نام عالمی برادری میں گہنا رہا ہے۔ پاکستان کے تمام شہری بلا لحاظ عقیدہ مساوی شہری ہیں۔ ایسے میں ایک مذہبی گروہ کی عبادت گاہوں کو مسلسل نشانہ بنا کر مذہبی انتہا پسند وطن عزیز پاکستان کو بدنام کر رہے ہیں۔

(عامر محمود)

احمدیوں کے قتل کی ترغیب

لاہور 7 ستمبر 2024 کو مینار پاکستان لاہور پر جمعیت علمائے اسلام کے زیر اہتمام ہونے والی ختم نبوت کانفرنس میں مولوی منظور مینگل نے حاضرین جلسہ کو احمدیوں کے قتل پر بار بار اکسایا۔ ان کی تقریر کا خلاصہ یہ ہے۔ "اسلامی تعلیم کی رو سے تین طرح کے لوگ واجب القتل ہیں اگر حکومت ان کو قتل نہیں کرتی تو ہم پٹھان اور تمام پاکستانی ان کو قتل کریں گے۔

1۔ شادی شدہ جو زنا کرے۔ 2۔ جو عمداً قتل کرے۔ 3۔ جو دین تبدیل کرے یعنی مرتد یعنی قادیانی مرزائی۔ اگر مرزائیوں کو حکومت قتل نہیں کرتی تو ہم کریں گے۔ قادیانی تھوڑے کافر ہیں۔ یہ مرتد ہیں۔ مرتد واجب القتل ہے۔ عام کافر میرے ملک کے کسی عہدے پر آسکتا ہے لیکن مرتد کو اس کی اجازت نہیں ہے۔ مرتد کو اپنے مال پر بھی ملکیت حاصل نہیں ہے وہ پہلے اپنے شبہات کو پیش کرے گا مولوی منظور اس کو جواب دے گا۔ جواب دینے کے باوجود اگر وہ نہیں مانتا تو وہ واجب القتل ہے اور حکومت کی ذمہ داری ہے کہ اس کو قتل کرے۔ اگر حکومت قتل نہیں کرے گی تو پھر ہر پٹھان، ہر پنجابی اور ہر سندھی اس کو قتل کرے گا۔" اس معاملے پر انسانی حقوق کے لئے جدوجہد کرنے والے افراد کو آواز اٹھانے کی ضرورت ہے۔ سرکاری انتظامیہ کو متوجہ کرنے کی ضرورت ہے۔ پاکستان کے عوام کو احمدیوں کی نسل کشی کی ترغیب دی جا رہی ہے۔ اس رجحان کو روکیں۔

(عامر محمود)

احمدیوں کی قبروں کی بے حرمتی

کوٹلی 19 اور 20 ستمبر 2024ء کی درمیانی رات نامعلوم افراد نے گوئی بٹالی (سنیارہ) ضلع کوٹلی آزاد کشمیر کے قبرستان سے تین احمدیوں کی قبروں کے کتبوں کو توڑ دیا۔ تفصیلات کے مطابق اس قبرستان میں احمدیوں کی آٹھ قبریں ہیں جن میں سے چار پر کتبے لگے ہوئے تھے۔ ان میں سے تین کے کتبے اکھاڑے گئے ہیں۔ پولیس نے قبرستان کا دورہ کیا ہے اور نامعلوم افراد کے خلاف مقدمہ درج کیا ہے۔ قبل ازیں انتہا پسندوں نے سرکاری انتظامیہ کو 3 دن کا وقت دیا تھا اور کہا تھا کہ اگر جمعہ تک انتظامیہ نے احمدیوں کی قبروں کے کتبے نہ توڑے تو جمعہ کے بعد قافلے کی شکل میں لوگ قبرستان جائیں گے اور خود کارروائی کریں گے۔ واضح رہے کہ گوئی (برموج) کوٹلی آزاد کشمیر میں 7 اور 8 مارچ 2024 کو نامعلوم افراد نے 8 احمدیوں کی قبروں کے کتبے توڑ دیے تھے اور ان ٹوٹے ہوئے کتبوں کو ساتھ لے گئے۔ اس افسوسناک واقعہ کے چند روز بعد 12 مارچ کو اسی علاقے میں نامعلوم افراد نے مزید 2 احمدیوں کی قبروں کے کتبے توڑ کر ساتھ لے گئے تھے۔ وطن عزیز پاکستان میں محبّ وطن احمدیوں کے ساتھ ہونے والے یہ انسانیت سوز واقعات غیر اخلاقی اور غیر قانونی ہیں اور ہر شریف النفس انسان کو تکلیف پہنچانے والے ہیں۔ نیز مذہبی انتہا پسندوں کی ایسی گھناؤنی کارروائیوں سے ہمارے وطن کا نام عالمی برادری میں گہنا رہا ہے۔ حکومت کو چاہئے کہ مذہبی انتہا پسندوں کے خلاف فوری اور موثر کارروائی کرے۔

(عامر محمود)

قانون نافذ کرنے والے ادارے

پاکستان میں توہین مذہب کے الزام میں ماورائے عدالت قتل کے واقعات: ایمنسٹی انٹرنیشنل کی مذمت

ایمنسٹی انٹرنیشنل کی جانب سے جاری کردہ بیان میں تنظیم نے کہا ہے کہ پاکستان میں توہین مذہب کے الزام میں لوگوں کی ماورائے عدالت ہلاکتوں کا خوفناک سلسلہ حکومت کی انسانی حقوق کے احترام بشمول زندگی کا حق، مذہب یا عقیدے کی آزادی اور امتیازی سلوک کی ممانعت اور تحفظ کے لیے اپنی ذمہ داری کو نبھانے میں جاری ناکامی کو اجاگر کرتا ہے۔ایمنسٹی انٹرنیشنل کے بیان کے مطابق ایک ہفتے کے اندر، پولیس نے پاکستان کے رجعت پسند توہین رسالت کے قوانین کے تحت دو ملزمان کو ہلاک کر دیا ہے۔ 19 ستمبر کو، توہین مذہب کے الزام میں ایک ڈاکٹر کو پولیس افسران نے عمرکوٹ، سندھ میں ایک نام نہاد 'پولیس مقابلے' میں گولی مار کر ہلاک کر دیا تھا، اس سے قبل 12 ستمبر کو بلوچستان کے شہر کوئٹہ میں ایک پولیس افسر نے توہین مذہب کے مشتبہ شخص کو حراست میں لے کر گولی مار کر ہلاک کر دیا تھا۔ بیان میں کہا گیا ہے کہ مئی 2024 سے سرگودھا (پنجاب)، سوات (خیبر پختونخوا)، کوئٹہ (بلوچستان) اور میرپور خاص (سندھ) میں ہجومی تشدد میں توہین مذہب کے الزام میں کم از کم 4 افراد ہلاک ہو چکے ہیں۔ تنظیم نے کہا ہے کہ پاکستانی حکام کو چاہیے کہ وہ واقعات کی مکمل، غیر جانبدارانہ اور آزادانہ تحقیقات مکمل کریں اور سزائے موت کا سہارا لیے بغیر ذمہ داروں کے خلاف منصفانہ اور شفاف ٹرائلز کو یقینی بنائیں۔انہوں نے مطالبہ کیا ہے کہ حکومت کو توہین مذہب کے ان قوانین کو بھی فوری طور پر منسوخ کرنا چاہیے جو طویل عرصے سے امتیازی سلوک اور تشدد کو برقرار رکھنے میں مدد فراہم کر رہے ہیں۔

(بشکریہ بلوچستان ٹائمز)

جبری گمشدگیاں خوف کا سبب اور جمہوریت کے لیے خطرہ، ماہرین

انسانی حقوق پر اقوام متحدہ کے غیر جانبدار ماہرین نے کہا ہے کہ انتخابات کے تناظر میں جبری گمشدگیاں معاشرے میں جبر اور خوف کا ماحول پیدا کرتی ہیں اور انتخابی آزادی کے لیے سنگین خطرہ ہیں۔ جبری یا غیر رضاکارانہ گمشدگیوں پر اقوام متحدہ کے ورکنگ گروپ میں شامل ان ماہرین نے رواں سال دنیا بھر میں انتخابات کے مواقع پر انسانی حقوق کی پامالیوں پر تشویش کا اظہار کیا ہے جن میں جبری گمشدگیاں بھی شامل ہیں۔اقوام متحدہ کی انسانی حقوق کونسل کے 57ویں اجلاس میں پیش کردہ اپنی رپورٹ میں ان کا کہنا ہے کہ 2024 میں 60 سے زیادہ ممالک میں اربوں لوگ انتخابات میں اپنے نمائندوں کا انتخاب کر رہے ہیں۔حکومت کے ناقدین اور مخالفین کو اس جمہوری عمل میں شرکت سے روکنے کے لیے انہیں جبراً لاپتہ کیے جانے کا مقصد دوسروں کو دھمکانا ہوتا ہے جو کہ انسانی حقوق کے بین الاقوامی قوانین کے منافی ہے۔اس رپورٹ میں جبری گمشدگیوں اور انتخابات کے مابین تعلق کا جائزہ لیتے ہوئے کہا گیا ہے کہ کئی طرح کے انسانی حقوق کی اس پامالی کو روکنے کے لیے احتساب اور تادیبی اقدامات سے کام لینا ضروری ہے۔

انتخابی دھاندلی کا ہتھکنڈہ

ورکنگ گروپ نے جبری گمشدگیوں کے وسیع تر اثرات پر بھی تشویش ظاہر کی ہے۔اس کا کہنا ہے کہ ایسے اقدامات کسی ریاست کے جمہوری تانے بانے پر طویل مدتی طور سے اثرانداز ہوتے ہیں۔رواں سال بہت بڑی تعداد میں ہونے والے انتخابات کے تناظر میں یہ مسئلہ خاص توجہ کا متقاضی ہے۔ماہرین نے کہا ہے کہ انتخابی تشدد بشمول جبری گمشدگیاں مخالفین پر سیاسی طور پر اثرانداز ہونے کا ذریعہ ہوتی ہیں اور ان سے انتخابات جیتنے کے امکانات کو بڑھانے کا کام لیا جاتا ہے۔انتخابات سے قبل، انتخابی عمل کے دوران اور بعد میں جبر و تشدد پر مبنی ہتھکنڈوں سے لوگوں کو کچھ وقت کے لیے انتخابی عمل سے دور رکھنے کا ہتھکنڈہ ہیں۔قید کا دورانیہ مختصر ہونے اور حکام کی جانب سے غیر شفاف اقدامات کے باعث ایسے واقعات کی شہادتیں حاصل کرنے میں مشکلات پیش آتی ہیں جبکہ متاثرین رسمی مقدمات درج ہونے سے پہلے قید سے واپس آ جاتے ہیں جس کی وجہ سے اس جرم کا ارتکاب کرنے والے قانون کی گرفت سے بچے رہتے ہیں۔

کمزور سماجی گروہوں کا نقصان

ماہرین کا کہنا ہے کہ جبری گمشدگیاں یا ان کا خطرہ انتخابات میں شرکت کرنے والے لوگوں کی تعداد کو متاثر کرتا ہے۔ نتیجتاً شہریوں میں بے اختیاری کا عام احساس جنم لیتا ہے اور اس کے نتیجے میں مزید انتخابی تشدد دیکھنے کو ملتا ہے۔غیر محفوظ اور کمزور سماجی گروہ اس جرم سے خاص طور پر متاثر ہوتے ہیں جبکہ ان کی انتخابی عمل میں شرکت کے لیے حوصلہ افزائی ہونی چاہیے۔

رپورٹ میں رکن ممالک، انتخابی اداروں، او ایچ سی ایچ آر، آن لائن اطلاعاتی پلیٹ فارم چلانے والوں اور انتخابی عمل میں مدد دینے والے بین حکومتی اداروں کے لیے کئی طرح کی سفارشات بھی دی گئی ہیں۔

(بشکریہ یو این خبر نامہ)

غیر ضروری چیک پوسٹوں کے خاتمے کا مطالبہ

نوشکی نوشکی پاک ایران قومی شاہراہ آر سی ڈی پر واقع ہے۔نوشکی سے کوئٹہ کا فاصلہ 144 کلومیٹر ہے۔نوشکی، خاران، واشک دالبندین، چاغی، نوکنڈی، ماشکیل، تفتان اور یورپ جانے والے مسافر، سیاح اور زائرین اس روٹ پر سفر کرتے ہیں۔ ہر دس کلومیٹر کے فاصلے پر سیکورٹی چیک پوسٹوں کی وجہ سے مسافروں بالخصوص خواتین اور مریضوں کو انتہائی مشکلات دشواریوں اور وقت کے ضیاع سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ دو گھنٹوں کا سفر تین گھنٹے میں طے ہوتا۔ بین الاقوامی شاہراہ پر چیک پوسٹوں کی بھرمار کسی طرح بھی ملک کے مفاد میں نہیں ہے۔شاہراہ کی بین الاقوامی اہمیت، رخشان ڈویژن کے عوام، زائرین، سیاحوں، مسافروں اور ٹرانسپورٹروں کی مشکلات کو مدنظر رکھتے ہوئے متعلقہ حکام غیر ضروری چیک پوسٹیں ہٹائیں۔ (محمد سعید)

صحت

پولیومہم کے بارے علمائے کرام کے مثبت کردار پرزور

چمن بلوچستان کے سرحدی ضلع چمن میں پولیومہم کے سلسلے میں 7 ستمبر کو ڈپٹی کمشنر کمپلیکس ہال میں ایک سمینار منعقد کیا گیا۔ سیمنار میں ضلع چمن کے مختلف علاقوں کے مسجد کے خطیبوں اور دیگر علمائے کرام نے شرکت کی۔ انھوں نے کہا کہ پاکستان اور افغانستان کے علاوہ دنیا بھر سے پولیو کے مرض کا خاتمہ ہو چکا ہے۔ پولیو مرض کے خاتمے میں علمائے کرام کا کردار خصوصی اہمیت کا حامل ہ۔ے دنیا بھر کے مما لک سے پولیو کے موذی مرض کا خاتمہ ہو چکا ہے لیکن بدقسمتی سے پاکستان اور افغانستان میں ابھی تک یہ مرض پایا جاتا ہے۔ پاکستان میں پولیو کے 17 اور افغانستان میں پولیو کے 13 کیسز موجود ہیں۔ انھوں نے کہا کہ پولیو کے موذی مرض کے خلاف قومی مہم کی کامیابی کے لیے شعور کی بیداری میں علماء کا کردا خصوصی اہمیت کا حامل ہے۔انھوں نے کہا کہ پولیو کے خاتمے کے لیے علماء کرام اور بچوں کے والدین کا تعاون ناگزیر ہے۔انھوں نے کہا کہ علماء کرام کی بدولت شعور و آگاہی کے باعث لوگ پولیو ورکرز سے

بچے

نوعمر بچے سے جنسی زیادتی

چنیوٹ 8 ستمبر کو سرگودھا روڈ بائی پاس مارکیٹ میں خراد کا کام سیکھنے والے 12 سالہ بچے سے مبینہ زیادتی۔ملزمان نے زیادتی کے بعد ارسلان کے منہ اور جسم کے دیگر حصوں میں ائیر پریشر گن سے ہوا بھر دی۔ ائیر پریشر گن کی وجہ سے بچے کا پیٹ جگر انتڑیوں اور دیگر حصے شدید متاثر ہو گئے۔ 12 سالہ ارسلان کو تشویشناک حالت کے پیش نظر الائیڈ ہسپتال فیصل آباد منتقل کر دیا گیا۔میڈیکل رپورٹ سے معلوم ہوا ہے کہ ارسلان کے منہ اور پاخانے والی جگہ میں ائیر پریشر گن ڈال کر اسے متاثر کیا گیا۔متاثرہ خاندان نے ملزمان کے خلاف کاروائی کے لیے ڈی پی او کو تحریری درخواست دی ہے۔تھانہ سٹی میں ملزمان کے خلاف مقدمہ درج کر کے تحقیقات شروع کر دی گئی ہے۔

(سیف علی خان)

بلوچستان سے پولیو کا ایک اور کیس سامنے آ گیا

قلعہ عبداللہ قلعہ عبداللہ سے پولیو کا ایک نیا کیس سامنے آ گیا۔ڈان نیوز کی رپورٹ کے مطابق محکمہ صحت کے حکام نے بتایا کہ قلعہ عبداللہ سے تعلق رکھنے والے 15 ماہ کے انیس خان نامی بچے میں پولیو وائرس کی تصدیق ہوگئی۔حکام کے مطابق بلوچستان میں رواں سال پولیو کے 14 کیسز رپورٹ ہوئے جو پورے ملک میں سب سے زیادہ کیسز ہیں , پاکستان میں پولیو کے رپورٹ شدہ کیسز کی تعداد 21 ہوگئی ہے۔یاد رہے کہ 2 روز قبل کوئٹہ میں ایک اور بچے میں پولیو وائرس کی تشخیص ہوئی تھی، نیشنل انسٹی ٹیوٹ آف ہیلتھ میں پولیو کے خاتمے کے لیے ریجنل ریفرنس لیبارٹری کے ایک افسر نے بتایا تھا کہ نیا کیس کوئٹہ ضلع میں ایک 24 ماہ کے بچے میں رپورٹ ہوا۔افسر کا کہنا تھا کہ جینیاتی کلسٹر وائے بی 3 اے 4 اے (YB3A4A) ہے اور یہ کیس 99.22 فیصد کوئٹہ کے پہلے پولیو کیس سے منسلک ہے، جو 29 اپریل 2024 کو رپورٹ ہوا تھا۔دریں اثنا، وزیراعظم کی فوکل پرسن برائے انسدادِ پولیو، عائشہ رضا فاروق نے ایک بیان میں بلوچستان میں پولیو کے کیسز میں اضافے پر گہری تشویش کا اظہار کیا اور حفاظتی پولیو ویکسین کی متعدد خوراکیں ہر بچے تک پہنچانے کی اہمیت پر زور دیا تھا۔انہوں نے کہا تھا کہ ہم جو کچھ دیکھ رہے ہیں وہ بلوچستان کے کچھ حصوں میں ویکسینیشن کے چھوٹ جانے کا نتیجہ ہے جس نے وقت کے ساتھ ساتھ وائرس کو پھلنے پھولنے اور زندہ رہنے کا موقع دیا ہے۔عائشہ رضا فاروق نے بتایا تھا کہ سرحد کے دونوں طرف کیسز کی زیادہ تعداد ملک بھر میں بچوں کے لیے خطرے اور آئندہ پولیو مہموں کے دوران ویکسین پلانے کی اہمیت کو واضح کرتی ہے۔انہوں نے صوبہ بلوچستان کی اعلیٰ قیادت بالخصوص وزیراعلیٰ، چیف سیکریٹری اور کوئٹہ کمشنر کی اعلیٰ سطح کی مصروفیات کا بھی اعتراف کیا۔ (بشکریہ ڈان)

کمسن بچہ ٹرین تلے آ کر ہلاک

نوشہروفیروز پڈعیدن کے قریب کوٹ لالو کے مقام پر ریلوے ٹریک عبور کرتے ہوئی دس سالہ بچہ لاہور جانے والی شالیمار ایکسپریس کی زد میں آ کر جاں بحق۔دوسے واقعے میں لاپتہ نوسالہ بچی کی لاش نالے سے برآمد ہوئی ہے۔۔پڈعیدن کے قریب کوٹ لالو ریلوے اسٹیشن کے قریب کراچی سے لاہور جانے والی شالیمار ایکسپریس کی زد میں آ کر دس سالہ بچہ جاں بحق ہو گیا۔ واقع کی اطلاع پر اسٹیشن پر موجود لوگوں نے بچہ کی لاش کو اسپتال منتقل کر دیا جہاں پر لاش کی شناخت دریاخان مری نصرت کینال پل کے قریب رہائشی محمد اسلم کھوسو کے دس سالہ بیٹے شعبان کھوسو کے نام سے ہوئی ہے۔ ضروری کاروائی کے بعد لاش ورثاء کے حوالے کر دی گئی۔ دوسرے واقع میں محراب پور میں دوروز سے لاپتہ نوسالہ بچی کی لاش سا کھانی ڈسپوزل نالہ نزد لانگر جی شاخ سے ملی ہے۔ اطلاع پر پولیس نے پہنچ کر بچی کی لاش کو اسپتال منتقل کر دیا۔ ایس ایچ او محراب پور ابراہیم سومرو کے مطابق ھھ جاننے کے لیے واقع کی تفتیش شروع کر دی گئی ہے کہ لاپتہ بچی نالے میں اتفاقیہ گر کر جاں بحق ہوئی ہے یا اسے قتل کیا گیا ہے۔اصل حقائق جلد سامنے لائیں گے،لاش ضروری کاروائی کے بعد ورثاء کے حوالے کر دی گئی۔ (الطاف حسین قاسمی)

بچوں کو جسمانی تشدد کا نشانہ بنایا گیا

خیبر اقرا پبلک سکول بکرآباد، کے دو معصوم طلباء، عبدالقدیر ولد مرحوم حاجی مہراب خان اور شبنم ولد مغروف خان کو اسکول سے واپسی پر حیات نامی لڑکے نے بے دردی سے مار مار کر شدید زخمی کر دیا۔عبدالقدیر ساتویں جماعت جبکہ شبنم دوسری جماعت کے طالب علم ہیں۔ دونوں بچے زخمی حالت میں ہیں اور ان کے والدین صدمے میں مبتلا ہیں۔معصوم بچے، جو علم کے حصول کے لیے اسکول جاتے ہیں، اس طرح کے وحشیانہ تشدد کا شکار نہیں ہونے چاہییں۔ہم اپنی حکومت، خصوصاً ڈی سی خیبر اور وزیراعلیٰ خیبر پختونخوا سے پرزور درخواست کرتے ہیں کہ فوری کارروائی کریں اور ہمیں انصاف دلائیں۔ہمارے اسکول کے پرنسپل محمد ذیشان آفریدی کی جانب سے اپیل ہے کہ ہمیں اس ظلم کے خلاف مدد فراہم کی جائے تاکہ ایسے واقعات دوبارہ رونما نہ ہوں۔

(انتظامیہ اقرا پبلک سکول بکرآباد)

پشتون نیشنل جرگہ

خیبر پشتون قومی جرگہ کی آرگنائزنگ کمیٹی خیبر پختونخوا پشتون قومی جرگہ کے کارکنان پر پولیس کے کریک ڈاؤن آنسو گیس کے شیلنگ اور کیمپ کو نذر آتش کرنے کی شدید الفاظ میں مذمت کرتی ہے۔ پشتون قومی جرگہ پولیس کے اس کریک ڈاؤن کو ریاستی جبر کے پرانے ہتھکنڈوں میں سے ایک سمجھتی ہے تاکہ پشتونوں کے پرامن قومی جرگے کو سبوتاژ کیا جاسکے جو 11 اکتوبر 2022 کو منعقد ہونے والا ہے۔ یہاں یہ بات بتانا ضروری ہے کہ حال ہی میں پی ٹی ایم کی قیادت، جو اس وقت جرگے کی میزبانی کر رہی ہے، نے وزیر اعلیٰ سے ملاقات کی تھی، جس میں صوبائی حکومت کی جانب سے کیمپ کے لیے مکمل سکیورٹی دینے کی یقین دہانی کرائی گئی تھی۔ اس یقین دہانی کے باوجود خیبر پختونخوا پولیس نے آدھی رات میں جرگہ گاہ کے آرگنائزرز پر کریک ڈاؤن کیا، نا صرف کریک ڈاؤن کیا بلکہ اس کے ساتھ ساتھ کیمپ کو بھی آگ لگا دی اور پرامن آرگنائزرز پر حملے کیے گرفتاریاں اور حراست کا سلسلہ اب تک جاری رکھے ہوئے ہیں، یہ واقعات صوبائی حکومت کی ساکھ پر سنگین سوالات اٹھاتے ہیں جو پنجاب اور ملک کے دیگر حصوں میں پرامن اجتماع اور احتجاج کے حق کی حمایت کرتی ہے جبکہ خیبر پختونخوا کے عوام کو اس حق سے محروم کر رہی ہے۔ پشتون قومی جرگہ یہ مطالبہ کرتا ہے کہ صوبائی حکومت فوری طور پر اپنے ہمارے کارکنوں پر کریک ڈاؤن بند کرے، اور اس واقعے کی مکمل تحقیقات شروع کرے اور کیمپ کو سکیورٹی فراہم کرے تاکہ پشتون اپنے آئینی حق کو پرامن طریقے سے استعمال کر سکیں۔ پشتون قومی جرگہ، عدالت سول سوسائٹی، انسانی حقوق کے کارکنان اور پاکستان میں موجود ان تمام لوگوں سے جو یہ سمجھتے ہیں کہ یہ ہمارا جمہوری حق ہے ان سے درخواست کرتا ہے کہ وہ پشتون قومی جرگے پر ریاستی کریک ڈاؤن کے خلاف آواز اٹھائیں۔ پشتون تحفظ موومنٹ نے ضلع خیبر میں 11 اکتوبر 2022 کو ایک قومی جرگہ بلایا ہے تاکہ پشتون افغانوں پر وطن میں جاری تشدد، دہشت گردی اور ٹارگٹ کلنگ کے واقعات پر بات کی جاسکے اور ان مسائل کا حل نکالا جاسکے۔

(عبدالسمعد، ترجمان پشتون قومی جرگہ)

(رپورٹ: مسعود شاہ)

کرم میں قبائل کے درمیان جھڑپوں میں کم از کم 30 ہلاک

پاراچنار ضلع کرم میں حریف گروپوں کے درمیان تازہ جھڑپوں میں کم از کم 10 مزید افراد ہلاک ہوئے اس طرح پانچ روز سے جاری لڑائی میں ہلاکتوں کی تعداد کم از کم 30 ہوگئی، جبکہ 75 دیگر افراد زخمی بھی ہوئے ہیں۔ فرقہ وارانہ جھڑپوں کی اہم وجہ زمینی تنازعہ ہے، جو دراصل پانچ روز قبل افغانستان کی سرحد پر واقع ضلع کرم میں شروع ہوئی تھیں۔ پاکستان اور افغان سرحد کے قریب واقع ضلع کرم میں حریف گروپوں کے درمیان بدھ کے روز ہونے والی تازہ جھڑپوں میں کم از کم 10 مزید افراد ہلاک ہوگئے، اس طرح اس علاقے میں گزشتہ پانچ روز سے جاری تشدد میں اب تک ہلاکتوں کی تعداد کم از کم 30 ہوگئی۔ حکام کے مطابق اس میں 75 دیگر افراد زخمی بھی ہوئے ہیں۔ حکام نے پہلے بتایا تھا کہ شمال مغربی پاکستان میں شیعہ اور سنی مسلم قبائل کے درمیان ایک مہلک جھگڑے میں 20 سے زائد افراد ہلاک ہوئے، تاہم پاکستان کے معروف میڈیا ادارے ڈان کے مطابق تازہ جھڑپوں میں دس مزید افراد کے ہلاک ہونے کی اطلاع ہے۔ ان فرقہ وارانہ جھڑپوں کی اہم وجہ زمینی تنازعہ ہے، جو دراصل پانچ روز قبل افغانستان کی سرحد پر واقع ضلع کرم میں شروع ہوئی تھیں۔ پولیس اور ہسپتال ذرائع نے بتایا کہ اپر کرم کے بوشہرہ قبائل نے احمد زئی قبائل کی زمینوں پر بنکرز بنانا شروع کر دیے، جس کی وجہ سے تازہ جھڑپیں شروع ہوئیں۔ انہوں نے مزید کہا کہ لڑائی دوسرے علاقوں تک بھی پھیل گئی۔ ان کا کہنا تھا کہ بالش خیل، صدہ، خار کلے، پیواڑ مقبل اور دیگر علاقوں میں ہونے والی ان تازہ جھڑپوں میں 10 افراد ہلاک اور 30 زخمی ہوئے۔ ان کا کہنا تھا کہ جھڑپوں کی وجہ سے مرکزی پاراچنار ہائی وے اور علاقے کی دیگر سڑکیں ٹریفک کے لیے بند ہیں۔ کرم میں تعینات ایک سینیئر انتظامی اہلکار نے خبر رساں ادارے اے ایف پی کو بتایا، "درجنوں گھروں کو نقصان پہنچا ہے۔" ان کا کہنا تھا کہ کشیدگی کی وجہ سے علاقے کے تمام تعلیمی ادارے بھی غیر معینہ مدت کے لیے بند کر دیے گئے ہیں۔ مقامی باشندوں کا کہنا تھا کہ حریف گروپوں نے ایک دوسرے کے ٹھکانوں کو نشانہ بنانے کے لیے بھاری ہتھیاروں کا استعمال کیا۔

حکام نے قبائلی عمائدین سے مدد کے لیے رجوع کیا

صوبائی حکومت کے ترجمان، بیرسٹر سیف علی کا کہنا ہے کہ حکام کشیدگی کو کم کرنے کی کوشش میں قبائلی عمائدین کے ساتھ مل کر کام کر رہے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ دونوں فریق جنگ بندی کے لیے ہر ممکن کوشش کر رہے ہیں۔ ضلع کرم حالیہ برسوں میں شیعہ اور سنی قبائل کے درمیان فرقہ وارانہ جھڑپوں کی لپیٹ میں رہا ہے۔ رواں برس جولائی کے مہینے میں ہی اسی علاقے میں زمین کے تنازعہ پر ہونے والے تشدد میں درجنوں افراد ہلاک ہوگئے تھے۔ پاکستان ایک سنی اکثریتی مسلم ملک ہے، جہاں شیعہ مسلمان آبادی کا تقریباً 15 فیصد ہیں۔

(اے ایف پی، اے پی)

تیراہ راجگال کوکی خیل متاثرین کی واپسی و بحالی کے لیے جلسہ عام کا اعلان

خیبر چار اکتوبر کو تاریخی باب خیبر کے مقام پر تیراہ راجگال کوکی خیل کی بحالی و واپسی کے لیے جلسہ عام ہوگا، مشران و کشران کی مشترکہ پریس کانفرنس۔ اس سلسلے میں جمرود پریس کلب میں تیراہ راجگال کوکی خیل متاثرین کی واپسی و بحالی کے لیے کوکی خیل قبیلے کے مشران و کشران ملک نصیر احمد کوکی خیل، حاجی براکت کھٹیا خیل، شاہ ولی آفریدی، ثناء اللہ افریدی، صدیق آفریدی و دیگر نے پریس کانفرنس کرتے ہوئے کہا کہ چار اکتوبر بروز جمعہ دو پہر دو بجے تاریخی باب خیبر میں جلسہ عام ہوگا جس میں سیاسی جماعتوں کے رہنماؤں و مختلف مکاتب فکر کے لوگ شرکت کر کے راجگال کوکی خیل کے بند علاقوں کو کھولنے اور نقصانات کے ازالے کا مطالبہ کریں گے۔ انہوں نے کہا کہ وہ 14 سال سے مخدوش صورتحال کے باعث نقل مکانی کر کے جمرود و دیگر علاقوں میں کسمپرسی کی زندگی گزارنے پر مجبور ہیں۔ تاہم اب امن کے قیام کے بعد بھی ہمیں اپنے علاقوں میں واپس جانے کی اجازت نہیں دی جا رہی اس لیے کوکی خیل قبیلہ دو مہینوں سے احتجاج پر ہے جہاں پاک افغان شاہراہ کو بھی بند کیا گیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ کوکی خیل دھرنا منتظمین کمیٹی نے فیصلہ کیا ہے کہ وہ چار اکتوبر بروز جمعہ دو بجے تاریخی باب خیبر کے مقام پر بڑا جلسہ عام کریں گے جس میں تمام پشتون قیادت کو شرکت کی دعوت دی جا رہی ہے جبکہ باجوڑ سے لے کر وزیرستان تک تمام مکاتب فکر کے لوگوں کو بھی جلسہ عام میں شرکت کی دعوت ہے۔ انہوں نے کہا کہ دھرنا شرکاء کا ایک ہی مطالبہ ہے کہ ان کو اپنے علاقوں میں واپس بھیج کر آباد کیا جائے لیکن بے حس حکومت و دیگر سیکیورٹی ادارے ہمارے مطالبات منظور نہیں کر رہے۔ انہوں نے کہا کہ اگر ان کے مطالبات منظور نہیں کیے گئے تو وہ 35 ہزار پختونوں کو اکٹھا کر کے تیراہ راجگال کوکی خیل کی طرف مارچ کریں گے اور اپنے علاقوں میں واپس جائیں گے۔ اگر کوئی نقصان ہوا تو اس کی ذمہ دار حکومت و ریاستی ادارے ہوں گے۔

(منظور قادر)

☆انسانی حقوق کی خلاف ورزی کے واقعات کی رپورٹ

1-وقوعہ کیا تھا:			
2-وقوعہ کب ہوا؟	سال	مہینہ	تاریخ
3-وقوعہ کہاں ہوا؟	گاؤں	محلّہ	
	ڈاک خانہ	تحصیل و ضلع	
4- کیا وقوعہ کا مقامی رسم و رواج سے تعلق ہے	ہاں	نہیں	
5-وقوعہ کیسے ہوا؟ (مختصر تفصیل)			
6-وقوعہ کا ماضی کے کسی دوسرے واقعہ سے تعلق اور اس کی مختصر تفصیل			
7-وقوعہ کا شکار ہونے والے کے کوائف	نام	ولد/زوجہ	پیشہ

8-وقوعہ سے متاثر ہونے والے کے معاشی/سماجی حیثیت	بچہ/بچی	عورت/مرد	غریب/ان پڑھ	بوڑھا/بوڑھی	بیمار
	مخالف سیاسی کارکن	سماجی کارکن	اقلیتی فرقے کا رکن	دیگر (تخصیص کریں)	

9-وقوعہ میں ملوث اشخاص کے کوائف:	نام	ولدیت/زوجیت	عہدہ	پیشہ
	-1			
	-2			
	-3			

10-وقوعہ کے ذمہ دار فرد/افراد کی معاشی/سماجی حیثیت	بڑا جاگیردار/زمیندار/بہت امیر آدمی	متوسط طبقے سے/غریب آدمی	بااثر صلاحیت/سیاسی اثر و رسوخ

11-وقوعہ کی پشت پناہی کرنے والے عناصر کے کوائف	نام اور ولدیت	عہدہ	پیشہ	پارٹی/ادارہ
	-1			
	-2			
	-3			

12-وقوعہ سے متعلقہ فریقین گواہان و غیر جانبدار افراد کے کوائف و موقف

وقوعہ سے تعلق	نام اور ولدیت	وقوعہ سے متاثر ہونے والے کے ساتھ تعلق/رشتہ داری	عہدہ	موقف
واقعہ سے متاثر				
واقعہ کا ذمہ دار				
چشم دید گواہ				
غیر جانبدار/پڑوسی				

13-اس قسم کے واقعات علاقہ میں کس قدر ظہور پذیر ہوتے رہتے ہیں	بہت زیادہ	اکثر اوقات	کبھی کبھار	کبھی نہیں
14-اس قسم کے واقعات اندازاً کتنی تعداد میں ہوتے ہیں	روزانہ	ماہانہ	سالانہ	
15-وقوعہ کے بارے میں HRCP نامہ نگار/اس کے ساتھ چھان بین کرنے والے/والوں کی رائے				
رپورٹ بھیجنے والے کے کوائف:	نام	پتہ: گاؤں/محلّہ	شہر/ضلع	

انسانی حقوق کے عالمی منشور کی کس شق کی خلاف ورزی ہوئی؟

دستخط: ....

تاریخ: ....

نوٹ: اگر تفصیلات فارم پر نہ آ سکیں تو نمبر لکھ کر سادے کاغذ پر تفصیل درج کریں

☆تمام ساتھی جو انسانی حقوق کے حوالے سے رپورٹیں بھیجتے ہیں آئندہ اس فارم کی فوٹو کاپی پر کوائف ’پُر‘ کر کے بھیجیں

Human Rights Commission of Pakistan

جہدِ حق

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق جہدِ حق کے تمام قارئین کو آگاہ کرنا چاہتا ہے کہ یہ رسالہ مفت ہے۔ قارئین کو کسی قسم کی قیمت ادا کرنے کی ضرورت نہیں ہے

انسانی حقوق کا عالمی منشور

10 دسمبر 1948ءکو اقوام عالم نے انسانی حقوق کا مندرجہ ذیل عالمی منشور منظور کیا

دفعہ - 1: تمام انسان آزاد اور حقوق وعزت کے اعتبار سے برابر پیدا ہوئے ہیں۔ انھیں ضمیر اور عقل ودیعت ہوئی ہے۔ انہیں ایک دوسرے کے ساتھ بھائی چارے کا سلوک کرنا چاہیے۔

دفعہ -2: ہر شخص ان تمام آزادیوں اور حقوق کا مستحق ہے جو اس اعلان میں بیان کیے گئے ہیں اور اس حق پر نسل، رنگ، جنس، زبان، مذہب اور سیاسی تفریق کا یا کسی قسم کے عقیدے، قومیت، معاشرے، دولت یا خاندانی حیثیت وغیرہ کا کوئی اثر نہیں پڑے گا۔

اس کے علاوہ کسی بھی شخص کے ساتھ اس کے علاقے یا ملک کی، سیاسی، عملی یا بین الاقوامی حیثیت کی بناء پر کوئی امتیازی سلوک نہیں کیا جائے گا، خواہ وہ ملک یا علاقہ آزاد ہو یا تولیتی ہو یا غیر مختار ہو یا اقدار اعلیٰ کے لحاظ سے کسی اور بندش کا پابند ہو۔

دفعہ - 3: ہر شخص کو اپنی آزادی، زندگی اور تحفظ کا حق ہے۔

دفعہ - 4: کوئی شخص، غلام یا لونڈی بنا کر نہ رکھا جا سکے گا۔ غلامی اور بردہ فروشی، چاہے اس کی کوئی بھی شکل ہو، ممنوع ہوگی۔

دفعہ - 5: کسی شخص کو جسمانی اذیت، یا ظالمانہ انسانیت سوز، یا ذلت آمیز سزا نہیں دی جائے گی۔

دفعہ - 6: ہر شخص کا حق ہے کہ ہر جگہ اس کی قانونی حیثیت کو تسلیم کیا جائے۔

دفعہ - 7: قانون کی نظر میں سب برابر ہیں اور سب بغیر کسی تفریق کے قانون کے اندر امان پانے کے برابر کے حق دار ہیں۔ اس اعلان کی خلاف ورزی میں جو بھی تفریق کی جائے یا جس تفریق کی بھی ترغیب دی جائے، اس سے بچاؤ کے سب برابر کے حقدار ہیں۔

دفعہ - 8: ہر شخص کو ان فعال کے خلاف جو دستور یا قانون میں دیے ہوئے بنیادی حقوق کی نفی کرتے ہوں، با اختیار قومی عدالتوں سے موئثر طریقے سے چارہ جوئی کرنے کا حق ہے۔

دفعہ - 9: کسی شخص کو من مانے طور پر گرفتار، نظر بند، یا جلاوطن نہیں کیا جائے گا۔

دفعہ - 10: ہر شخص کو یکساں طور پر حق حاصل ہے کہ اس کے حقوق وفرائض کے تعین یا اس کے خلاف کسی عائد کردہ جرم کے فیصلے کے بارے میں اسے ایک آزاد اور غیر جانب دار عدالت میں کھلی اور منصفانہ سماعت کا موقع ملے۔

دفعہ - 11: (1) ایسے ہر شخص کو جس پر کوئی فوجداری الزام عاید کیا جائے، اس وقت تک بے گناہ شمار کیے جانے کا حق ہے جب تک کہ اس پر کھلی عدالت میں قانون کے مطابق جرم ثابت نہ ہو جائے اور اسے اپنی صفائی پیش کرنے کا پورا موقع اور تمام ضمانتیں نہ دی جا سکی ہوں۔

(2) کسی شخص کو کسی ایسے فعل یا فروگزاشت کی بناء پر جو ارتکاب کے وقت قومی یا بین الاقوامی قانون کے اندر تعزیری جرم شمار نہیں کیا جاتا تھا، کسی تعزیری جرم میں ماخوذ نہیں کیا جائے گا، اور نہ ہی اسے کوئی ایسی سزا دی جائے گی جو جرم کے ارتکاب کے وقت کی مقرر کردہ سزا سے زائد ہو۔

دفعہ - 12: کسی شخص کی نجی زندگی، خانگی زندگی، گھر بار، خط وکتابت میں من مانے طریقے پر مداخلت نہ کی جائے اور نہ ہی اس کی عزت اور نیک نامی پر حملے کیے جائیں گے۔ ہر شخص کو ایسے حملے یا مداخلت سے قانونی تحفظ کا حق ہے۔

دفعہ - 13: (1) ہر شخص کو اپنی ریاست کی حدود کے اندر نقل وحرکت کرنے اور کہیں بھی سکونت اختیار کرنے کی آزادی کا حق ہے۔

(2) ہر شخص کو اس بات کا حق حاصل ہے کہ وہ کسی ملک سے چلا جائے چاہے یہ ملک اس کا اپنا ہو اور اسی طرح اسے اپنے ملک میں واپس آجانے کا بھی حق ہے۔

دفعہ - 14: (1) ہر شخص کو عقیدے کی بنا پر ایذا رسانی سے بچنے کے لیے دوسرے ملکوں میں پناہ حاصل کرنے اور اس سے فائدہ اٹھانے کا حق ہے۔

(2) یہ حق ان عدالتی کاروائیوں سے بچنے کے لیے استعمال میں نہیں کیا جا سکتا جو خالصتاً غیر سیاسی جرائم یا ایسے افعال کی وجہ سے عمل میں آتی ہیں جو اقوام متحدہ کے مقاصد اور اصولوں کے خلاف ہیں۔

دفعہ - 15: (1) ہر شخص کو قومیت کا حق ہے۔

(2) کوئی شخص محض من مانے طور پر قومیت سے محروم نہیں کیا جائے گا اور نہ ہی اس کو اپنی قومیت تبدیل کرنے کا حق دینے سے انکار کیا جائے گا۔

دفعہ - 16: (1) بالغ مردوں اور عورتوں کو بغیر ایسی پابندی کے جو نسل، قومیت، یا مذہب کی بنا پر لگائی جائے شادی بیاہ کرنے اور گھر بسانے کا حق ہے۔ مردوں اور عورتوں کو نکاح، ازواجی زندگی اور نکاح کو فسخ کرنے کے معاملے میں برابر کے حقوق حاصل ہیں۔

(2) نکاح فریقین کی پوری آزادی اور رضامندی سے ہوگا۔

(3) خاندان، معاشرے کی فطری اور بنیادی اکائی ہے اور وہ معاشرے اور ریاست دونوں کی طرف سے حفاظت کا حقدار ہے۔

دفعہ - 17: (1) ہر انسان کو تنہا یا دوسروں سے مل کر جائیداد رکھنے کا حق ہے۔

(2) کسی شخص کو زبردستی اس کی جائیداد سے محروم نہیں کیا جائے گا۔

دفعہ - 18: ہر انسان کو آزادی فکر، آزادی ضمیر اور آزادی مذہب کا پورا حق ہے۔ اس حق میں مذہب اور عقیدے کو تبدیل کرنے اور اجتمائی یا انفرادی طور پر خاموشی یا کھلے بندوں اپنے عقیدے کی تبلیغ، اس پر عمل، اور اس کی عبادات اور رسومات پوری کرنے کی آزادی بھی شامل ہے۔

دفعہ - 19: ہر شخص کو اپنی رائے رکھنے اور اظہار رائے کی آزادی کا حق حاصل ہے۔ اس حق میں یہ امر بھی شامل ہے کہ وہ آزادی کے ساتھ اور بلا کسی قسم کی مداخلت کے اپنی رائے پر قائم رہے اور جس ذریعے سے چاہے اور ملکی سرحدوں کے حائل ہوئے بغیر معلومات اور خیالات کا حصول اور ان کی ترسیل کرے۔

دفعہ - 20: (1) ہر شخص کو پرامن طریقے سے ملنے جلنے اور انجمنیں قائم کرنے کی آزادی کا حق ہے۔

(2) کسی شخص کو کسی انجمن میں شامل ہونے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا۔

دفعہ - 21: (ا) ہر شخص کو اپنے ملک کی حکومت میں براہ راست یا آزادانہ طور پر منتخب کیے ہوئے نمائندوں کے ذریعے حصہ لینے کا حق ہے۔

(2) ہر شخص کو اپنے ملک میں سرکاری ملازمت حاصل کرنے کا برابر کا حق ہے۔

(3) عوام کی مرضی حکومت کے اقتدار کی بنیاد ہوگی۔ یہ مرضی وقتاً فوقتاً ایسے حقیقی انتخابات کے ذریعے ظاہر کی جائے گی جو عام اور مساوی رائے دہندگی کی بنیاد پر ہوں گے اور جو خفیہ ووٹ یا اس کے مماثل کسی دوسرے آزادانہ طریقہ رائے دہندگی کے مطابق عمل میں آئیں گے۔

دفعہ - 22: معاشرے کے رکن کی حیثیت سے ہر شخص کو معاشرتی تحفظ کا حق حاصل ہے اور یہ حق بھی وہ ملک کے نظام اور وسائل کے مطابق قومی کوشش اور بین الاقوامی تعاون سے ایسے اقتصادی، معاشرتی اور ثقافتی حقوق کو عملاً حاصل کرے، جو اس کی عزت اور شخصیت کی آزادانہ نشو نما کے لیے لازم ہیں۔

دفعہ - 23: (1) ہر شخص کو کام کاج، روزگار کے آزادانہ انتخاب، کام کاج کی مناسب ومعقول شرائط اور بے روزگاری کے خلاف تحفظ کا حق ہے۔

(2) ہر شخص کو کسی تفریق کے بغیر مساوی کام کے لیے مساوی معاوضے کا حق ہے۔

(3) ہر شخص جو کام کرتا ہے وہ ایسے مناسب ومعقول مشاہرے کا حق رکھتا ہے جو خود اس کے اور اس کے اہل وعیال کے لیے باعزت زندگی کا ضامن ہو اور جس میں اگر ضروری ہو تو معاشرتی تحفظ کے دوسرے ذریعوں سے اضافہ کیا جا سکے۔

(4) ہر شخص کو اپنے مفاد کے بچاؤ کے لیے تجارتی انجمنیں، (ٹریڈ یونین) قائم کرنے اور اس میں شریک ہونے کا حق حاصل ہے۔

دفعہ - 24: ہر شخص کو آرام اور فرصت کا حق ہے جس میں کام کے گھنٹوں کی حد بندی اور تنخواہ کے ساتھ مقررہ وقفوں پر تعطیلات میں شامل ہیں۔

دفعہ - 25: (1) ہر شخص کو اپنی اور اپنے اہل وعیال کی صحت اور فلاح وبہبود کے لیے مناسب معیار زندگی کا حق ہے جس میں خوراک، پوشاک، مکان اور علاج کی سہولتیں اور دوسری ضروری معاشرتی مراعات، اور بیروزگاری، بیماری، معذوری، بیوگی، بڑھاپا اور ان حالات میں روزگار سے محرومی جو اس کے قبضہءقدرت سے باہر ہوں، کے خلاف تحفظ کا حق شامل ہے۔

(2) زچہ اور بچہ خاص توجہ اور امداد کے حق دار ہیں۔ تمام بچے خواہ وہ شادی کے بغیر پیدا ہوئے ہوں یا شادی کے بعد، معاشرتی تحفظ سے یکساں طور پر مستفید ہوں گے۔

دفعہ - 26: (1) ہر شخص کو تعلیم کا حق ہے۔ تعلیم کم سے کم ابتدائی اور بنیادی درجوں میں مفت ہوگی۔ ابتدائی تعلیم لازمی ہوگی۔ فنی اور پیشہ ورانہ تعلیم حاصل کرنے کا عام انتظام کیا جائے گا اور لیاقت کی بنا پر اعلیٰ تعلیم حاصل کرنا سب کے لیے مساوی طور پر ممکن ہوگا۔

(2) تعلیم کا مقصد انسانی شخصیت کی پوری نشو نما ہوگا اور وہ انسانی حقوق اور بنیادی آزادیوں کے احترام میں اضافہ کرنے کا ذریعہ ہوگی۔ وہ تمام قوموں اور نسلی یا مذہبی گروہوں کے درمیان باہمی مفاہمت، رواداری اور دوستی کو ترقی دے گی اور امن کو برقرار رکھنے کے لیے اقوام متحدہ کی سرگرمیوں کو آگے بڑھائے گی۔

(3) والدین کو اس بات کے تصفیہ کا اولین حق ہے کہ ان کے بچوں کو کس قسم کی تعلیم دی جائے گی۔

دفعہ - 27: (1) ہر شخص کو قوم کی ثقافتی زندگی میں آزادانہ حصہ لینے، فنون لطیفہ سے مستفید ہونے اور سائنس کی ترقی اور اس کے فوائد میں شرکت کا حق حاصل ہے۔

(2) ہر شخص کو حق حاصل ہے کہ اس کے ان اخلاقی اور مادی مفادات کا تحفظ کیا جائے جو اسے ایسی سائنسی، فنی یا ادبی تصنیف سے، جس کا وہ مصنف ہے، حاصل ہوتے ہیں۔

دفعہ - 28: ہر شخص ایسے معاشرتی اور بین الاقوامی نظام کا حقدار ہے جس میں وہ تمام آزادیاں اور حقوق حاصل ہو سکیں جو اس اعلان میں شامل ہیں۔

دفعہ - 29: (1) ہر شخص پر معاشرے کے حق ہیں کیونکہ معاشرے میں رہ کر اس کی شخصیت کی آزادانہ اور پوری نشو ونما ممکن ہے۔

(2) اپنی آزادیوں اور حقوق سے فائدہ اٹھانے میں ہر شخص صرف ایسی حدود کا پابند ہوگا جو دوسروں کی آزادیوں اور حقوق کو تسلیم کرانے اور ان کا احترام کرانے کی غرض سے اور ایک جمہوری نظام میں اخلاق، امن عامہ اور عام فلاح وبہبود کے مناسب لوازمات کو پورا کرنے کے لیے قانون کی طرف سے عائد کی گئی ہوں۔

(3) یہ حقوق اور آزادیاں کسی حالت میں بھی اقوام متحدہ کے مقاصد اور اصولوں کے خلاف عمل میں نہیں لائی جا سکتیں۔

دفعہ - 30: اس اعلان کی کسی چیز سے کوئی ایسی بات مراد نہیں لی جا سکتی جس سے کسی ملک، گروہ یا شخص کو کسی ایسی سرگرمی میں مصروف ہونے یا کسی ایسے کام کو انجام دینے کا حق پیدا ہو جس کا منشا ان حقوق اور آزادیوں کی نفی ہو جو یہاں پیش کی گئی ہیں۔

پبلشر: ندیم فاضل: پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق
”ایوان جمہور“ 107۔ ٹیپو بلاک، نیوگارڈن ٹاؤن، لاہور
فون: 35838341-35864994 فیکس: 35883582
ای میل hrcp@hrcp-web.org ویب سائٹ: www.hrcp-web.org
پرنٹر: مکتبہ جدید پریس، 14 ایمپرس، لاہور Registered No. LRL-15

کمپوز:
جمال احمد
سید رضا شاہ